شریعت و طریقت کا تلازم

مؤلفہ

جامع شریعت و طریقت محدث کبیر حضرت اقدس الحاج
مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی قدس سرہٗ

ناشر مکتبۃ الشیخ
۳/۴۴۵ - بہادر آباد کراچی ۵

شریعت و طریقت کا تلازم

مؤلفہ

جامع شریعت و طریقت محدّث کبیر حضرت اقدس الحاج
مولانا محمّد زکریّا صاحب کاندھلوی ثمّ مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ

ناشر

مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷ بہادر آباد کراچی ۵

نام کتاب

شریعت وطریقت کا تلازم

تصنیف

برکۃ العصر، جامع شریعت و طریقت
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی
قدس سرہٗ

سن تالیف

۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۹ء

پاکستان میں کتابت نادرہ کے ساتھ پہلی بار
شعبان ۱۴۱۳ھ موافق فروری ۱۹۹۳ء

ملحوظہ: - فہرست مضامین کتاب کے آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

شریعت اور طریقت

حامداً و مصلیاً و مسلماً

بعد حمد و صلوٰۃ کے اس ناکارہ کی پیدائش ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ رات کے گیارہ بجے کاندھلہ میں، میری والدہ کی سوتیلی نانی کے گھر میں ہوئی، جو اماں مریم کے نام سے مشہور تھیں۔ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض خاتون تھیں۔ خاندان کے اکابر تراویح پڑھ کے اپنے گھر جانے سے پہلے وہاں گئے اور مبارکبادی کے بعد مٹھائی کا مطالبہ کیا، اور انہوں نے اپنی فیاضی سے بہت سی مٹھائی منگوائی اور مبارکبادی دینے والوں کو اُن کی حیثیت کے موافق دی۔ بڑی چہل پہل اور شور و شغب رہا۔

یہ قصبہ مظفر نگر کے ضلع میں ہے اور اس زمانہ میں دوآبہ شریعت و طریقت کا گہوارہ اور مخزن تھا۔ "دوآبے" ایک عرفی اصطلاح تھی جو مشہور تھی اور اب بھی مشہور ہے۔ ہمارے اکابر کے کلام میں بھی بہت جگہ اس کا تذکرہ آتا رہا ہے۔ یہ حصہ دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور کے اضلاع پر مشتمل ہے اور دوآبہ اس وجہ کہا جاتا ہے کہ اس کے مغرب میں جمنا اور نہر جمن اور مشرق میں گنگا اور نہر گنگ مشہور و معروف دریا ہیں جو اب تک بھی معروف ہیں۔ یہ خطہ شریعت و طریقت کا مخزن و گہوارہ، مرجع و منبع خاص طور سے تھا جس کی ابتدا خاندانِ ولی اللہی کی ہوئی اور اس کا فیضانِ عام امدادی جماعت کے ذریعہ ہوا۔ اس خطہ کا معمولی اثر یہ تھا کہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ان کے مریدوں میں معمولی

سے معمولی اور اَن پڑھ بھی متبع سُنّت تھے۔ مَیں نے بہت سے بالکل اَن پڑھ لوگوں کو دیکھا کہ تہجد کے اتنے پابند تھے کہ بعض بڑوں کو بھی ویسا کم دیکھا۔ اور طریقت کا حال یہ تھا کہ حضرت قدس سرہٗ کی خانقاہ کے قریب جو عام گڈھا تالاب مشہور ہے اُس میں پچاس ساٹھ دھوبی اخیر شب میں کپڑے دھویا کرتے تھے وہ بجائے مختلف آوازوں کے اللہ، اللہ کی صدائیں لگایا کرتے تھے۔ اس سیہ کار کو خاندانِ ولی اللّٰہی میں سے تو کسی کی زیارت کی نوبت نہیں آئی لیکن خاندانِ امدادیہ کے اکابر و اصاغر کی زیارتیں بہت کثرت سے ہوئیں۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا وصال میری پیدائش سے تقریباً دو سال بعد بارہ یا تیرہ جمادی الثانیہ ۱۳۱۷ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت کی نوبت بھی نہیں آئی۔ اس واسطے کہ حضرت کا وصال میری پیدائش سے تقریباً اٹھارہ سال پہلے چار جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ میں دیوبند شریف میں ہوا۔ اسی طرح اپنے جدِ امجد حضرت رأس الاتقیاء مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی ثم الکاندھلوی ثم الدھلویؒ کی بھی زیارت کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ ان کا وصال دھلی میں نواب والی مسجد میں چار شوال ۱۳۱۵ھ کو میری پیدائش سے تقریباً بیس یوم بعد ہوا۔ میں نے اکابر سے سُنا ہے کہ جب میری پیدائش کی خبر دادا جان کو ہوئی تو اُنہوں نے فرمایا تھا کہ "ہمارا بدل آگیا اور ہمارے جانے کا وقت آگیا" ——— البتہ ان حضرات کے واقعات اتنی کثرت سے سُننے میں آئے کہ لاتعد ولاتحصٰی۔

البتہ فخر المحدثین شیخ مشائخِ زمانہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ

کی زیارت خوب ہوئی، اس لئے کہ حضرت کا وصال میری پیدائش سے تقریباً آٹھ سال بعد آٹھ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ کو گنگوہ شریف میں ہوا۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی صورت بھی خوب یاد ہے، اور حضرت قدس سرہٗ جب جہاز الو خانقاہ کے میدان میں تشریف فرما ہوتے تھے تو گردن میں دونوں ہاتھ ڈال کر لپٹنا بھی خوب یاد ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ کھانا کھانے کی بھی کثرت سے نوبت آئی اور عیدگاہ جاتے وقت حضرت کی پالکی میں جس کے اُٹھانے والے مشائخِ عصر ہوتے تھے جانا بھی خوب یاد ہے۔ یہ دور شریعت و طریقت کا بہت اُونچا دور ہے۔ اس کے بعد مرشدی و سیدی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں رجب ۱۳۲۸ھ سے ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ تک مسلسل ایک سال جس میں حضرت مرشدی اور حضرت شیخ الہند حجاز رہے کے علاوہ حاضری رہی کہ یہ ناکارہ مدینہ پاک سے سولہ ذیقعدہ ۴۵ھ کو رخصت ہوا تھا جبکہ حضرت مرشدی کا وصال مدینہ پاک میں سولہ ربیع الثانی ۴۶ھ کو ہوگیا۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ اعلی اللہ مراتبہٗ کے زمانہ کو پایا تو ہی، اس واسطے کہ حضرت کا وصال اٹھارہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں ہوا چونکہ حضرت کا قیام کئی سال مالٹا میں رہا۔ اس لئے دیوبند کی حاضری اسارت سے پہلے اور اسارت کے بعد مختصر طور پر ہوئی مگر حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے احباب تلامذہ اور اکابر دیوبند سے کثرت سے ملنا ہوتا رہا۔

حضرت اقدس رأس الاتقیاء والاصفیاء حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا دور بھی خوب پایا، اس لئے کہ حضرت کا وصال ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ میں ہوا اور ملحق الاصاغر بالاکابر حضرت حکیم الامت مجدد ملت

تھانوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کی زیارت تو بہت ہی طویل عرصہ تک رہی کہ حضرت کا وصال شب بارہ ۱۲ رجب ۱۳۶۲ھ میں ہوا اور میں نے حضرت کے اسم گرامی کے ساتھ لقب ملحق الاصاغر بالاکابر کا اس لئے لکھا کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی بیعت و اجازت سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے تھی اسلئے حضرت حکیم الامت کے سارے مریدین اور مجازین بیک واسطہ حضرت سید الطائفہ سے ملحق ہیں۔ یہ تو طریقت ہوئی، اور شریعت میں حضرت حکیم الامت کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے بھی اجازتِ حدیث ہے، اور حضرت شاہ گنج مراد آبادی نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے کچھ پڑھا ہے، چنانچہ ارواحِ ثلٰثہ ص ۳۴۷ میں ہے کہ حکیم نعمت اللہ صاحب نے حضرت مولانا سے پوچھا کہ سنا ہے کہ حضور نے حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے پڑھا ہے۔ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا کہ حدیث شریف سُنکر اجازت دیجئے تو برکت حاصل ہو۔ مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں سُنکر فرمایا کہ اجازت دیتا ہوں اور عمل کی تاکید فرمائی۔ انتہیٰ۔

اس ناکارہ کی بہت ہی تمنا رہی کہ حضرت حکیم الامت سے اجازت حاصل کروں کہ سندِ عالی حاصل ہو۔ اور کئی مرتبہ اس نیت سے تھانہ بھون حاضری کی نوبت آئی مگر ہر مرتبہ یہ حیاء مانع ہوئی کہ کس منہ سے کہوں کہ مجھے اجازتِ حدیث دے دیجئے جبکہ کچھ آتا جاتا نہیں، حالانکہ مجھ سے پڑھنے والوں نے کئی نے حضرت سے اجازت حاصل کی اور اس لحاظ سے وہ شاگردان مجھ سے عالی سند رکھتے ہیں۔

نیز شیخ الاسلام رأس المجاہدین حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مراتبہ کا دَور بھی خوب پایا، اس لئے کہ حضرت کا وصال بارہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ کو دیوبند میں ہوا۔ میرے محسن، امام التواضع والانکسار حضرت اقدس مولانا

الحاج شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا دَور تو بہت ہی پایا کہ حضرت کا وصال چودہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو ہوا۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضری کی بہت ہی نوبت آئی، اور اپنے عمِّ محترم امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا دَور بھی خوب پایا، اس لئے کہ چچا جان کا وصال اکیس ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ کو ہوا۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

{یہ ہیں میرے آباء و اجداد، پس ان جیسا تو بھی لے جریر جب مجامع تفاخر ہم کو جمع کریں، پیش کر}

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

مجھے ان سب اکابر کا دَور اس واسطے بتانا پڑا کہ ان شموسِ ہدایت کی برکت

سے وہ آپ کا ذرہ ذرہ شریعت وطریقت کا مرکز رہا اور ان کی برکات سے ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا کہ شریعت وطریقت ایک دوسرے کے متلازم ہیں۔ ان میں کا ہر شخص سے

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

کا صحیح مصداق تھا۔ اس لئے بچپن ہی سے شریعت وطریقت کا باہمی ربط وتلازم ایسا قلب میں پیوست تھا کہ اس کے خلاف کوئی چیز قابل التفات نہیں تھی یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز بچپن سے ذہن میں مرکوز ہوجاتی ہے وہ کالنقش فی الحجر ہوجاتی ہے۔ سانپ کے کاٹنے اور شیر کے پھاڑنے پر ہر شخص کو ایسا یقین ہے کہ جس کا نکالنا دل سے مشکل ہے، حالانکہ بہت سے لوگوں نے سانپ کو کاٹتے نہیں دیکھا ہوگا اور شیر کو پھاڑتے نہیں دیکھا ہوگا۔

اس کے بعد اپنے طلب علم کے زمانہ میں مشکوٰۃ شریف کے شروع میں حضرت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث جو تعلیم امت کیلئے فرمائی گئی تھی اس میں ایمان واسلام کے ساتھ ساتھ "مَا الْاِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ" پڑھا کہ اللہ کی عبادت ایسی کی جائے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے یہی طریقت ہے، یہی تصوف ہے یہی سلوک۔ اور جتنے نام اس مبارک فن کے لئے جاتے ہیں سب اس میں داخل ہیں۔ جیسا کہ طریقت کے ذیل میں تفصیل سے ذکر کروں گا۔ اور اس کے بعد پھر حدیث پاک کی جتنی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا ہوتا رہا شریعت وطریقت کا باہمی ربط قلب میں ایسے طریقہ سے جمتا گیا کہ ان دونوں کے خلاف کوئی چیز کان میں پڑی تو اسے جہالت سمجھتا رہا

یا تجاہل۔ شریعت مطہرہ جس کا ماخذ قرآن پاک ہے اور اس کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال اور ان کا لب لباب فقہ، ان کے خلاف کبھی بھی کوئی چیز سنی تو ناقابل التفات سمجھی۔ بعض دینی علوم سے ناواقف لوگوں کا یہ قول جب کان میں پڑتا تھا کہ "قرآن پاک سے براہ راست جو مفہوم سمجھ میں آوے وہ اصل ہے، تفاسیر وغیرہ کتب کی اس کیلئے ضرورت نہیں" تو میں اسے پاگل پن سمجھتا رہا۔ اس لئے کہ اگر قرآن پاک سے براہ راست اخذ کرنا آسان ہوتا تو انبیاء کی ضرورت کیا رہتی؟ قرآن پاک کعبہ شریف کے درمیان لٹکا دیا جاتا اور اس سے لوگ حاصل کرتے رہتے۔ انبیاء کی بعثت کا تو بڑا راز یہ بھی ہے کہ وہ عملی طور پر ارشادات الٰہیہ کی تکمیل وتشکیل کرکے دکھلائیں اور اس سلسلہ میں اللہ کا احسان ہے، اسی کا شکر ہے کہ کبھی کوئی شبہ پیش نہیں آیا بلکہ اس سے بہت سے مسائل اور فروعات ایسے ذہن نشین ہوئے کہ ان میں بھی کوئی اشتباہ نہ ہوا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ شریعت کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے آئی تھی اس لئے جو چیزیں شان نبوت کے منافی نہ تھیں وہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر کرائی گئیں جیسے لیلۃ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مع جماعت صحابہؓ کے نماز صبح کے لئے بیدار نہ ہوسکنا۔ جبکہ حضورؐ کے چاکروں کے چاکروں کا یہ حال ہے کہ وہ کہیں کہ بیعت ہوجانے کے بعد سے رات کے دو بجے سے ایسی کھجلی اٹھتی ہے کہ نیند نہیں آتی۔ محدثین میں اس میں بھی اختلاف ہے کہ صبح کو سوتے رہ جانا ایک دفعہ ہوا یا متعدد دفعہ جیسا کہ اوجز ص ۲۵/۱ میں تفصیل ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ تین دفعہ ہوا یہاں ایک تصوف کی بات بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

عادتِ شریفہ یہ نہیں تھی کہ لیٹنے کے وقت پوچھیں کہ ہمیں کون جگائے گا، اس قصہ میں بخاری ص۸۳ میں یہ ہے کہ صحابہؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ تھوڑی دیر آرام فرما لیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا "میں جگاؤں گا"۔

اس قصہ میں سلوک کے دو مسئلے ہیں۔ اوّل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اندیشہ کہ مجھے ڈر ہے کہ صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے۔ حالانکہ عرب کا عام دستور یہی تھا کہ شروع رات میں سفر کرتے اور اخیر رات میں آرام کرتے۔ اسی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشائخ کے قلوب پر بسا اوقات آنے والے واقعات کا انکشاف ہوتا ہے یا اندیشہ ظاہر ہوتا ہے ——— دوسرے یہ کہ حضرت بلالؓ کا یہ کہنا کہ "میں جگاؤں گا" اوجز ص۲۵/۱ میں لکھا ہے کہ مشائخ نے کہا کہ یہ واقعہ حضرت بلالؓ پر تنبیہ ہے اس بات کے کہنے پر کہ "میں جگاؤں گا"۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا تو حضرت بلالؓ کا یہ کہنا کہ "میں جگاؤں گا"، اس کا سبب ہوا۔ مگر اس پر ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ جب لیلۃ التعریس اکثر علماء کے نزدیک کئی دفعہ ہوئی تو حضرت بلالؓ کا یہ قول تو ایک ہی دفعہ ہوا ہوگا، لیکن جواب ظاہر ہے کہ ایک واقعہ میں حضرت بلالؓ کے اس قول کو دخل ہے اور دوسرے واقعات میں دوسرے اسباب ہوئے ہوں گے۔

اسی طرح نماز میں بھولنے کی احادیث میں کبھی اشکال نہ ہوا، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرما دیا کہ "انی لا انسی ولکن انسی لاسن" یعنی میں بھولتا نہیں بلکہ جبرًا بھلایا جاتا ہوں تاکہ طریقہ بتاؤں، یعنی

تمہارے لئے نماز میں بھولنے کے احکام، سجدۂ سہو وغیرہ کا طریقہ بتاؤں۔ اوجز ص۳۱۶/۱ باب العمل فی السہو میں اس حدیث کی بڑی تفصیل ہے۔

اسی طرح بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض بڑی خطائیں سرزد ہو جانے پر کبھی بھی کوئی خلجان طبیعت میں نہیں آیا جب کہ مشائخ عظام سے ایسی خطاؤں کا صدور بعید تر ہے اور کوئی بڑے سے بڑا شیخ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا تو ان کی معاصی کی روایات پر اللہ کے فضل سے مجھے کبھی اشکال نہیں ہوا۔ اکابر کی جوتیوں اور احادیث کی برکت سے ان سب کے متعلق ہمیشہ یہی ذہن میں رہا کہ یہ افعال ان حضرات سے تعلیم کی تکمیل کے لئے تکوینی طور سے کرائے گئے ؎

تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

ان انفاسِ قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعتِ مطہرہ کی تکمیل کیجیے، ہم اس کیلئے سنگسار ہونے کو تیار ہیں، ہاتھ کٹانے کو تیار ہیں، کوڑے کھانے کو تیار ہیں۔ یہی میرے نزدیک مصداق ہیں قرآن کریم کی آیت "فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ" کے، (بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا) اور یہی مصداق ہیں ان احادیثِ مغفرت کے جن میں ہے کہ بعض خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ "ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی دیدو"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (صحیح مسلم جلد۱ ص۱۰۶ میں) ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن بُلایا جائے گا، (یہ کسی ایک آدمی کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا بلکہ ایک طبقہ مراد ہوتا ہے جس کے ہر فرد کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں رجل کی جگہ ناس کا لفظ صریح ہے) اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کر دیں

چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں گے اور بڑے بڑے گناہ چھپالئے جائیں گے، اس سے کہا جائے گا کہ تونے فلاں دن یہ گناہ کیا اور فلاں دن یہ گناہ کیا۔ اس کو اقرار کئے بغیر چارہ نہ ہوگا اور وہ ڈرتا رہے گا کہ ابھی تو چھوٹے چھوٹے پیش کئے جارہے ہیں جب بڑے بڑے گناہوں کا نمبر آئے گا تو کیا بنے گا؟ ارشاد ہوگا کہ اس کو ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھدو۔ تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب ابھی تو بہت گناہ باقی ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اُس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تبسّم فرمایا کہ حضورؐ کے اگلے دانت مبارک نظر آنے لگے (مسلم ترمذی، شمائل)

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت میں بہت سے لوگ لائے جائیں گے جو اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمارے گناہ بہت زیادہ ہوتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے گناہوں کے بدلے نیکیاں ملیں گی۔

یہاں ایک بات نہایت قابلِ اہتمام یہ ہے کہ یہ مراحمِ خسروانہ کہلاتے ہیں کہ مراحمِ خسروانہ میں قاتلوں کو پھانسی کی سزا سے بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس اطمینان پر کہ میں تو مراحمِ خسروانہ میں چھوٹ جاؤں گا قتل کی ہمت کوئی نہیں کرتا، البتہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مجھے یقین ہے کہ انشاءاللہ صحابۂ کرامؓ سب ان میں داخل ہیں، اس لئے کہ ان کے معاصی کے جو قصے احادیث میں آتے ہیں وہ ان ہی مراحمِ خسروانہ کے مستحق ہیں۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے زنا صادر ہو جاتا ہے وہ حضور اقدس صلّی اللہ

علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہؐ مجھے پاک کر دیجئے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جا استغفار کر، توبہ کر" وہ تھوڑی دور جاتے ہیں، بےچینی غالب ہوتی ہے، پھر آکر یہی عرض کرتے ہیں، اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہی جواب ہوتا ہے۔ چار دفعہ یہی واقعہ پیش آتا ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کو توبہ و استغفار کی تاکید کر کے واپس کر دیتے ہیں۔ چوتھی دفعہ میں حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم حسبِ قواعدِ شرعیہ سنگسار کرنے کا حکم فرماتے ہیں ——— اس پر دو صحابہؓ نے یوں کہا کہ اس شخص کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا مگر اس نے اپنے آپ کو پیش کیا حتّٰی کہ کتّے کی طرح سر رجم کیا گیا۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ سُن کر سکوت فرمایا اور آگے تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک گدھا مرا پڑا تھا اور اُس کا پیٹ پھولا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی ایک ٹانگ اُبھر گئی تھی۔ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ اُنہوں نے کہا ہم حاضر ہیں، حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا "اس مُردار میں سے کھاؤ" اُنہوں نے کہا کہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ تم نے جو مسلمان بھائی کی آبرو ریزی کی وہ اس سے زیادہ سخت ہے، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اس وقت جنّت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

اسی طرح ایک غامدیہ عورت رضی اللہ عنہا وارضاہا کا قصہ پیش آتا ہے وہ بھی آکر درخواست کرتی ہیں یا رسول اللہؐ مجھے پاک کر دیجئے، حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کو بھی یہی فرما کر واپس کر دیتے ہیں کہ جا توبہ استغفار کر۔ وہ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہؐ آپ مجھے اسی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں جس طرح حضرت ماعزؓ کو

واپس کیا تھا، میں خدا کی قسم زنا سے حاملہ ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنے بچہ پیدا نہ ہو جائے اتنے تجھے رجم نہیں کیا جا سکتا۔ جب وہ بچہ جنتی ہیں تو پھر وہ حاضر ہوتی ہیں کہ یا رسول اللہ میں نے بچہ جن دیا مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو دودھ چھوٹنے کے زمانہ تک دودھ پلا۔ وہ دودھ چھڑانے کے بعد بچہ کو گود میں لاتی ہیں۔ بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے، عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ یہ روٹی کھانے لگا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگساری کا حکم دیتے ہیں ـــــ حضرت خالدؓ بھی سنگسار کرنے والوں میں تھے، اس کو سنگسار کرتے ہوئے اس کے خون کا ایک قطرہ اُڑ کر حضرت خالدؓ کے رخسار پر پڑ گیا حضرت خالدؓ نے اُس کو کوئی سخت بات کہی، حضور اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خالد! ایسا مت کہو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی کا افسر بھی ایسی توبہ کر لیتا تو اُس کو کافی ہوتی (چنگی کے افسر سے مراد اس محکمہ کے لوگ ہیں کہ وہ ظالم ہوتے ہیں اور بہت ظلم کرتے ہیں) اسی قسم کے ایک اور قصہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ہم اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی جان کی قربانی کر دی۔

احادیث کی کتاب الحدود میں متعدد روایات ان قصوں کی وارد ہوئی ہیں، ہم میں سے بڑے سے بڑا بھی کوئی ایسا ہے جو گناہ پر اتنا بے چین ہو جائے جتنا یہ حضرات ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے جیسا کوئی شخص پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور اس کو ڈر رہا ہو کہ یہ پہاڑ مجھ پر گر جائے گا۔ اور جب فاجر کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا آسان محسوس کرتا ہے جیسا کہ مکھی ناک پر بیٹھ گئی اور اُس کو ہاتھ سے اُڑا دیا {مشکوٰۃ ص۲۰۶ بروایت بخاریؒ}

اللہ جل شانہٗ عالم الغیب ہیں، وہ سب کے گناہوں کو بھی جانتے ہیں اور گناہوں کے بعد اُن کے حالات کو بھی۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں باوجود معاصی کے بھی اپنی رضا، اور خوشنودی کے پروانے جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا
عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص (احسان) کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

{بیان القرآن}

بیان القرآن کے حاشیہ پر درمنثور سے وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ کی تفسیر میں ابن زید سے نقل کیا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ میں تمام

مسلمان قیامت تک کے آگئے جو احسان کے ساتھ ان حضرات کے متبع ہوں اس لئے صحابۂ کرامؓ یا مشائخ عظام کی کسی معصیت پر اُن کی شان میں گستاخی کرنا اپنے کو محروم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان سے راضی اور تم ناراض ۔ قرآنِ پاک کی متعدد آیات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت، رضوان وغیرہ کے مبشرات ہیں اور یہ معاصی علام الغیوب کے علم میں بھی ہیں، لیکن چوں کہ اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ ان معاصی کے باوجود ان کی مغفرت، دخول فی الجنۃ وغیرہ کے وعدے ہیں تو ایسی حالت میں صحابۂ کرامؓ کی کسی معصیت پر اُن کی شان میں گستاخی نہایت ہی حماقت اور جرأت ہے ۔ اور ان حضرات کی لغزشوں کو آڑ بنا کر خود کوئی گناہ کرنا اس سے زیادہ حماقت ہے ۔ اس لئے کہ ان کے گناہوں کی معافی تو آیاتِ قطعیہ سے ثابت ہوگئی، مگر ہمارے لئے ان کو آڑ بنا کر کسی قسم کا گناہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اللہ جل شانہٗ کا قطعی ارشاد ہے :۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۔ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی ، ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہِ راست پر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں ۔ { بیان القرآن }

نیز بیان القرآن میں فسوق کی تفسیر گناہِ کبیرہ اور عصیان کی تفسیر گناہِ صغیرہ سے کی ہے ۔ اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تو صغائر و کبائر انشاء اللہ سارے ہی معاف ہیں ، ان کی کسی غلطی پر گرفت کرنا انتہائی خطرناک ہے اور ان کے صغائر و کبائر کی آڑ لیکر خود عمل کرنا اپنے لئے ہلاکت ہے ۔

فتح مکہ میں حضرت حاطب بن بلتعہؓ نے مکہ والوں کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادۂ غزوہ کی اطلاع کر دی ، وہ خط پکڑا گیا حضرت عمرؓ کو تو جوش آنا ہی تھا ۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑادوں ۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں ، تجھے کیا خبر کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو فرمادیا ہو کہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی جو چاہے کرو ۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ واسطیہ ص ۱۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہلِ سنّت والجماعت کے قواعدِ مقررہ میں سے یہ ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں ان کے قلوب اور زبان محفوظ رہیں ۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "میرے صحابہؓ کو بُرا مت کہو قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) سونا خرچ کرے تو میرے صحابہؓ کے ایک مُد بلکہ آدھے مُد کے برابر بھی (ثواب کے اعتبار سے) نہیں پہنچ سکتا ۔

اور اہلِ سنّت والجماعت ان تمام چیزوں کو قبول کرتے ہیں صحابہؓ کے فضائل و مراتب کے بارے میں جو قرآن و حدیث اور اجماع میں وارد ہوا ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے اہلِ بدر سے فرمادیا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت

کردی اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جنھوں نے بیعت فرمائی ہے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں وارد ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، اور وہ چودہ سو کے قریب ہیں۔

اور اہلِ سُنّت والجماعت صحابہؓ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے اس میں کلام کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو اقوال اُن کے عیوب کے نقل کئے جاتے ہیں اُن میں بعض تو بالکل جھوٹ ہیں اور بعضوں میں تغیر و تبدل کیا گیا ہے اور جو صحیح بھی ہیں تو صحابہؓ ان میں معذور ہیں۔ یا تو مجتہد مصیب ہیں یا مجتہد مخطی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود اہلِ سُنّت صحابہؓ کے معصوم ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ گناہ ان سے ہو سکتے ہیں، مگر ان کے فضائل اور مناقب ایسے ہیں کہ اگر اُن سے گناہ ہو بھی جاویں تو ان سے معاف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے وہ گُناہ بھی معاف ہوجائیںگے جو بعد والوں سے معاف نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے پاس ایسی نیکیاں گناہوں کو مٹانے والی ہیں جو بعد والوں کے پاس نہیں ہیں۔

پھر ان میں سے اگر کسی سے گناہ ہوا بھی ہے تو یقیناً اُس نے توبہ کرلی ہے یا اتنی نیکیاں کیں جن سے وہ سیئات معاف ہوگئے یا اُن کے قدیم الاسلام ہونے کی وجہ سے یا حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت کی وجہ سے کہ یہ حضرات حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یا دنیا میں ہی کسی مصیبت میں مبتلا ہوگئے جس سے معافی ہوگئی۔ یہ بات تو ان گناہوں کے متعلق ہے جو محقق تھے، پھر جن اُمور میں اجتہاد کو بھی دخل تھا اُن کا تو کیا پُوچھنا کہ اگر وہ صواب پر تھے تو دو اجر اور غلطی پر تھے تو ایک اجر اور غلطی معاف (جیسا کہ عام

مجتہدین کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے) پھر ان کی جن باتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ بہت ہی کم ہیں ان کے فضائل اور محاسن کے مقابلہ میں اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ، ہجرت اور نُصرت اور علمِ نافع اور عملِ صالح کے مقابلہ میں۔ اور جو آدمی بھی صحابۂ کرامؓ کی سیرت کو علم اور بصیرت سے غور کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے جن فضائل سے ان کو مشرّف کیا ہے وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل ترین ہیں۔ نہ ان جیسے پہلے ہوئے نہ بعد میں ہوں گے اور وہ اس خیر الامم کے چُنے ہوئے حضرات ہیں۔ فقط

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے جو لکھا بالکل صحیح ہے۔ قرآنِ پاک کی آیات کثرت سے ان حضرات کے فضائل مناقب اور ان حضرات کی تکفیرِ سیّئات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ الآية پارہ ۲۸ (مالِ فیٔ کے مصارف میں ارشاد فرماتے ہیں)

"ان حاجتمند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جُدا کر دیئے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے دارالاسلام میں اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں، جو اُن کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اُس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو، اور جو شخص اپنی طبیعت کے بُخل سے محفوظ رکھا جائے، ایسے ہی لوگ فلاح پاتے ہیں۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ الآیۃ (پارہ ۴ سورۂ آل عمران کا آخری رکوع)

"سو جن لوگوں نے ترکِ وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے، ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عوض ملیگا اللہ تعالےٰ کے پاس سے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔"

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو حقوق معاف کرنے کو بتلا رہی ہیں اور اللہ جل شانہٗ تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں ضرور بالضرور ان کے گناہوں کو معاف کروں گا۔ مگر "مدعی سست گواہ چُست" ہمارے حمقاء کہتے ہیں کہ وہ تو گنہگار تھے، چناں تھے چنیں تھے۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کوئی میرے کسی ولی سے عداوت رکھے اُس کو میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے اور صحابہؓ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ولی کون ہو سکتا ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے بارے میں، میرے بعد ان کو (اعتراضات کا) نشانہ نہ بنائیو، جس نے میرے صحابہؓ سے محبت رکھی تو اُس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے محبت رکھی، اور جس نے میرے صحابہؓ سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے بغض رکھا۔ جس نے میرے صحابہؓ کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی قریب ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ

کی پکڑ میں آجائے {اخرجہ الترمذی}

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ فضائلِ صحابہؓ سے وہی شخص واقف ہے جو اُن کے حالات اور ان کی زندگی سے واقف ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور وصال کے بعد اُن کا ایمان میں تقدم اور کفار سے جہاد اور دین کا پھیلانا اور شعائرِ اسلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کا کلمہ بلند کرنا اور فرائض و سُنن کی تعلیم۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو دین کی کوئی اصل یا فرع ہم تک نہیں پہنچتی اور ہم کسی سُنّت یا فرض سے واقف نہ ہوتے اور نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حالات ہم تک پہنچتے۔ لہٰذا جو ان کی شان میں گستاخی کرے وہ دین سے نکل گیا اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہو گیا۔ اس واسطے کہ کسی میں طعن کرنا اُس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ اُن کی بُرائیوں کو دل میں جگہ نہ دے اور بغض دل میں نہ ہو اور جب تک کہ ان فضائل کا جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے اُن کا منکر نہ ہو اور جب تک ان فضائل و مناقب اور محبت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے تھی ان کا منکر نہ ہو۔ اور اس وجہ سے بھی طاعنِ صحابہؓ دین سے نکل گیا کہ یہ صحابہؓ ہی ماثور و منقول میں بہترین و افضل ترین وسیلہ ہیں، اور وسیلہ پر طعن اصل پر طعن شمار ہوتا ہے اور ناقل پر عیب لگانا منقول پر عیب لگانا ہے، اور یہ باتیں اس شخص کے لئے ہیں جو غور و فکر کرے۔ اور نفاق اور زندقہ اور الحاد سے اس کا عقیدہ پاک ہو بالکل ظاہر ہے اور صحابہؓ کے فضائل کے لئے وہ اخبار و آثار ہی کافی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، جیسا کہ حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض صحابہؓ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں بُرا بھلا کہا جاتا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ

کو جو بُرا بھلا کہے اُس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

اور دوسری جگہ میں حضرت انس رضؓ سے ہی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چُنا اور میرے لئے میرے صحابہؓ کو چُنا اور میرے لئے ان کو دوست اور بھائی اور رشتہ دار بنایا۔ اور آئندہ ایک قوم آئے گی جو ان پر عیب لگائے گی اور اُن کے مرتبہ کو گھٹائے گی۔ پس تم ان کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ ان سے نکاح کرو نہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ اُن پر جنازہ کی نماز پڑھو فقط

حافظ ذہبی نے اور بھی بہت سی روایات کتاب الکبائر میں نقل کی ہیں اور علماء سے نقل کیا ہے کہ جو صحابۂ کرامؓ کی مذمت کرے یا اُن کی غلطیوں کو ڈھونڈے یا اُن کے عیوب کا ذکر کرے یا ان کی طرف عیوب کو منسوب کرے تو ایسا شخص منافق ہے۔

یہ مختصر رسالہ علماء کے ان اقوال کو نہیں جمع کر سکتا جو صحابۂ کرامؓ کی شان میں گستاخی کرنے والوں یا اُن کے عیوب کو پھیلانے والوں کے متعلق آئے ہیں۔

اسی طرح باغِ فدک وغیرہ کی روایات میں بھی کبھی خلجان نہیں ہوا۔ بہتیرے ہی اشکالات، اعتراضات کانوں میں پڑتے رہے مگر میں ہمیشہ ہی یہ سوچتا رہا کہ جس بضعۃ الرسول نے باپ کی ساری زندگی میں چکی پیس پیس کر گزر کیا ہو، پانی کی مَشک اُٹھانے سے بدن پر نشانات پڑ گئے ہوں، وہ ابّا جان کے انتقال کے بعد ایسی مال کے اُوپر گرے کہ خلیفۂ برحق حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بولنا چھوڑ دے؟ یہ لڑائی اور اسی طرح مشاجراتِ صحابہؓ کی ساری لڑائیوں پر ہمیشہ شرحِ صدر رہا کہ یہ سب کا سب قوتِ ایمانیہ تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی و حضرتِ عبّاس رضی اللہ عنہم کو مال کی طمع پاس کو نہیں تھی

اور کیسے ہو سکتی تھی جبکہ ان کے چاکروں کے دل میں بھی نہ ہو۔ یہ ساری لڑائیاں ایمانی، اعتقادی، علمی تھیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ترکے میں وراثت شرعًا ہے یا نہیں؟ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما " ماترکنا صدقۃ " کو عموم سمجھتے تھے اور یہ حضرات خصوص سمجھتے تھے۔ یہ علمی اور اجتہادی بحثیں تھیں۔ حضرت فاطمہ رضؓ عنہا کا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نہ بولنا جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اس سے مراد اس مسئلہ یعنی فدک کے معاملہ میں نہ بولنا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ انہیں اپنے سوال میں قلق ہوا اس واسطے کبھی اس مال کے بارے میں گفتگو نہیں کی جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں بعض روایات سے اس کی تائید نقل کی ہے۔ یہ تو حضرات شراحِ کرام کی رائے ہے بندہ کے ذہن میں ہمیشہ سے اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کا یہ مطالبہ مال کی محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حکمِ شرعی کی تنفیذ کیلئے تھا، کیونکہ وہ اپنے آپ کو شرعًا اس کا مستحق سمجھتی تھیں، اسی لئے اُنہوں نے اس پر اظہارِ ناراضگی اور ترکِ کلام فرمایا۔ اور یہ چیز میرے نزدیک سراسر تصلب فی الدین تھی۔ اور اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اس معاملہ کو پیش کیا اِس وجہ سے کہ ممکن ہو کہ حضرت عمرؓ کی رائے ان حضرات کے موافق ہو، مگر حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی تھی جو حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔

اسی طرح مشاجرات صحابہ میں حضرات خلفاء ثلاثہ کا زمانہ اس کے مناسب نہیں تھا، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ کیونکہ حضرات خلفاء راشدین ثلاثہ کے ادوار میں دوسرے اہم امور درپیش تھے، اور جب اِن سب کی تکمیل ہو گئی تو

خلفاءِ راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا دَور باقی تھا جس میں مخالفتِ خلیفہ کا مسئلہ بھی حل ہونا ضروری تھا تاکہ خلفاءِ راشدین و مجتہدین کے دَور میں اس مسئلہ کی بھی تکمیل ہو جائے اس لئے یہ مسائل اسی زمانہ میں پیش آنے ضروری تھے۔ اس لئے مجھے کبھی اس میں اشکال نہیں ہوا کہ حضرات صحابہؓ کے جو مشاجرات ہیں وہ حُبِّ جاہ و مال یا عصبیّت کی وجہ سے تھے، بلکہ وہ اُنکی قوتِ ایمانیہ کی علامتیں تھیں، جس چیز کو حق سمجھتے تھے اُس کی حفاظتؒ اعانت میں جنگ جدل سے باک نہیں کرتے تھے۔ جو پاگل ان حضرات کے ان افعال و اقوال کو بشری کمزوری سمجھتا ہے اُس کو مَیں نے کبھی قابلِ التفات نہیں سمجھا اور جس کی بھی حدیثِ پاک پر گہری نظر ہوگی وہ کبھی نہیں سمجھے گا۔

اس ناکارہ نے اپنے رسالہ "الاعتدال" میں مشاجراتِ صحابہؓ کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ جنگِ جمل (جو حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جنگ کا نام ہے) کتنی سخت لڑائی تھی۔ تقریباً بیس ہزار آدمی اس میں شہید ہوئے، لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سب سے آگے بڑھے اور مدِ مقابل جماعت میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ بھی سب سے آگے بڑھے۔ دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں روئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آگئے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلہ نے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علیؓ کی جماعت کو فتح ہوئی

دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے۔ حضرت علیؓ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ اِن قیدیوں کو قتل کیا جائے، حضرت علیؓ نے قبول نہیں کیا بلکہ دوبارہ ان سے بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے۔ ان مغلوبین کے مال کو غنیمت قرار دیا لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں، حضرت علیؓ اوّل انکار فرماتے رہے، آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو باندی بنا کر اپنے حصّہ میں لینے پر تم میں سے کونسا تیار ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا نستغفر اللہ یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہیں، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا "وانا استغفر اللہ" مَیں بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔

کیا ہم بھی کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں۔ دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اُٹھانا بہت بڑی چیز ہے کیا ہم معمولی سا خلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اُٹھانے والوں کا رکھتے تھے۔ اس لڑائی کے خاتمہ کے وقت حضرت عائشہؓ (جو دوسری جماعت کے سرگروہ میں تھیں) کا اُونٹ زخمی ہو کر گرا ہے تو حضرت علیؓ نے جلدی سے کہا "دیکھو اُمّ المؤمنین کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی"۔ اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس تشریف لے گئے، فرمایا "اماں جان کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، اللہ جلّ شانہٗ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے"۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے"۔

یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزّت افزائی

ہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلّط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہو، کسی مخالف پر غلبہ ہو جائے تو اُس کی جان، مال، آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں؟۔

جنگِ صفین حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان مشہور لڑائی ہے۔ متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جنگِ صفین کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جاکر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۷) اور ایک فریق کو مسائل کی ضرورت پیش آتی تو دوسرے فریق کے پاس آدمی بھیج کر ان کو حل کراتے۔ یہ اُن کے دینی اعتماد کا حال تھا (تاریخ الخلفاء)

قیصرِ روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر اُن پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے قیصرِ رُوم کے نام ایک خط میں لکھا اگر تم نے اپنا ارادہ پُورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کر لونگا، پھر تمہارے خلاف اُن کا جو لشکر روانہ ہوگا اُس کے ہراول دستے میں میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا اور تمہاری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اُکھاڑ پھینکوں گا۔

(تاج العروس ص ۲۰۸ مادہ اصطفلین)

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ قیصرِ رُوم نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا تھا کہ تم کو حضرت علیؓ نے ستا رکھا ہے تمہاری مدد کے لئے میں فوج بھیجدوں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے اُس کو لکھا کہ اے نصرانی کُتے! میرے اور علیؓ کے درمیان جو اختلاف ہے تو اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ یاد رکھ کہ اگر تو نے حضرت علیؓ

کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے علیؓ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑ دینے والا معاویہ ہوگا۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ علیؓ مجھ سے بہتر اور مجھ سے افضل ہیں اور میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اور اگر وہ خونِ عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اھلِ شام میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے میں ہوں گا۔

(البدایۃ والنہایۃ ص ۱۲۹) (مقامِ صحابہؓ)۔

امیر معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا، صبر نہ ہو سکا اور اس کو قتل کر دیا۔ حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ پہنچا، اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ فرما دیں۔ قاتل کی سزا قصاص لیکن یہ قتل جن حالات میں صادر ہوا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابو موسٰی اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں (مؤطا امام مالکؒ)

کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں۔ کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاعی نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں؟ ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس کی طرف رجُوع کرے۔ (الاعتدال ص ۲۳)

حضرت معاویہؓ کے تو حضرت علیؓ کے ساتھ ایسے قصّے بہت سے مشہور ہیں۔ عزیز مولوی یوسف نوّر اللہ مرقدہٗ نے بھی حیات الصحابہؓ ص ۱۹ میں کئی قصّے لکھے ہیں۔ حضرت ضرار بن ضمرہ کنانیؓ (جو حضرت علیؓ کی جماعت کے تھے

حضرت علیؓ کے (انتقال کے بعد) حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا امیر المؤمنین مجھے اس سے معاف کریں گے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں بالکل معاف نہیں کروں گا ضرور بیان کر۔ حضرت ضرار نے عرض کیا کہ اگر ضروری ہی ہے تو سُنئے کہ حضرت علیؓ خدا کی قسم بڑے مرتبہ والے اور بڑی قوّت والے تھے۔ دو ٹوک بات کہتے تھے اور انصاف کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان کی ہر سمت سے علم اُبلتا تھا اور ہر طرف سے دانائی گویائی کرتی تھی۔ دُنیا اور دُنیا کی زیب زینت سے متوحش تھے۔ رات اور اس کی تاریکی سے مانوس تھے۔ خدا کی قسم بڑے رونے والے تھے اور............. بڑے سوچ والے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو پلٹ کر اپنے نفس کو خطاب کیا کرتے تھے۔ مختصر لباس آپ کو پسند تھا اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ خدا کی قسم وہ ہم میں (بغیر کسی خصوصی امتیاز کے) ایسے رہتے تھے جیسے ہم میں کا ایک آدمی ہو۔ جب ہم حاضر ہوتے تو ہمیں اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ اور ہم جو بات پوچھتے اُس کا جواب دیتے۔ اور ہم اس اختلاط اور سادگی کے باوجود ان سے اُن کی ہیبت کی وجہ سے بولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ اور جب ہنستے تو ان کے دانت پروئے ہوئے موتیوں کی طرح ظاہر ہوتے۔ دینداروں کی عظمت کرتے تھے اور مساکین سے محبّت رکھتے۔ کسی قوی سے قوی آدمی کو بھی اپنے باطل میں کامیابی کی اُمید نہیں ہوتی تھی اور ضعیف سے ضعیف آدمی آپ کے انصاف سے مایوس نہ ہوتا۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بعض اوقات میں نے اُن کو دیکھا کہ رات کی اندھیریوں میں اپنی محراب میں اپنی ڈاڑھی کو پکڑے ہوئے ایسے بے چین ہیں جیسے کسی زہریلے جانور نے کاٹ رکھا ہو اور ایسے رو رہے ہیں

یسے کوئی غم زدہ، اور گویا آپ کی آواز آج بھی میرے کان میں گونج رہی ہے، دہ بار بار فرمارہے تھے یَا رَبَّنَا، یَا رَبَّنَا اور گڑگڑا رہے تھے۔ پھر دُنیا کو طاب کرکے فرمارہے تھے تو مجھے ہی دھوکہ دینا چاہتی ہے اور میرے ہی لئے مزیّن بن کر آتی ہے، مجھ سے دور ہو جا، میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے، میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ تیری عمر بہت تھوڑی ہے۔ تیری مجلس ہت حقیر ہے، اور تیرے مصائب آسان ہیں۔ ہائے ہائے! توشۂ آخرت کم ہے اور سفر بہت لمبا ہے اور راستہ وحشتناک ہے۔

یہ حالات سُن کر حضرت معاویہؓ کے آنسو اتنے نکلے کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور اُن کو آستین سے پوچھنا شروع کیا اور پاس بیٹھنے والوں کے بھی روتے روتے دَم گھٹنے لگے اور حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، ابو الحسن (حضرت علیؓ) ایسے ہی تھے، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرے۔

ضرار! تمہیں حضرت علیؓ کی وفات کا غم کتنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جیسا کہ کسی ماں کی گود میں اُس کا اکلوتا بیٹا ذبح کر دیا جائے کہ اُس کے آنسو نہیں تھم سکتے اور اس کا غم کبھی کم نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت ضرار چلے آئے۔

چونکہ احسان جس کا اُوپر ذکر آیا وہ بھی دین کی تکمیل کا ایک جزو تھا اُس کو بھی علیٰ وجہ الشیوع اسی دور میں ہونا چاہیئے تھا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد انا دار الحکمۃ وعلی بابھا کہ سلوک و تصوّف و حکمت تقریبًا سارے ہی سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے چلتے ہیں۔

اس لئے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا تصوّف جوگیوں سے لیا گیا ہے وہ دین سے بالکل ناواقف ہیں۔ تصوّف کی ابتداء حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کے دَور سے ہے، اور خاص انداز سے تسلسل حضرت علیؓ کے دَور سے ہے، جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا، یہ بہت ہی تفصیلی مضمون ہے، کاش میری صحت اجازت دیتی تو ان چیزوں کو بہت ہی وضاحت سے لکھتا۔

میرے اس مذکورہ بالا مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس ناکارہ کو کبھی کسی حدیث پر کوئی اشکال ہی پیش نہیں آیا۔ ہاں اِتنا ہو گیا کہ جس حدیث میں کوئی اشکال ہوا اور وہ حل نہ ہو تو اس کو مَیں اپنی کم مائیگی اور قلّتِ علم پر محمول کرتا رہا۔ مَیں اپنی ایک چھوٹی بچّی کا قصہ آپ بیتی میں لکھوا چکا ہوں کہ جب وہ قاعدہ بغدادی پڑھ رہی تھی اور اُس کی ایک تختی میں الف کھڑا زبر آ نون زبر نَ، آنَ۔ ب الف زبر با، نون زبر نَ، بانَ۔ تانَ، ثانَ۔ اخیر میں اُسکی والدہ نے پڑھایا ہمزہ الف زبر آ نون زبر نَ، آنَ۔ تو وہ مچل گئی کہ آبا یہ آنَ [illegible] بنا، ہمزانَ کیوں نہیں بنا۔ اس کی ماں نے تو یہ کہکر پیچھا چھڑا لیا کہ جب تیرے ابّا آویں گے اُن سے پُوچھیئے۔ اور مَیں بھی اس کے سمجھانے سے عاجز رہا تو مَیں نے کہا کہ ابھی تیری سمجھ اتنی نہیں، جب بڑی ہو جائے گی تو خود سمجھ میں آجائے گا۔

اسی طرح جب کسی حدیثِ پاک میں کوئی اشکال پیش آوے تو مجھے اپنی بچّی کا جواب یاد آجاتا ہے کہ ابھی تیری اتنی سمجھ نہیں۔

عمل بالقرآن

اس ناکارہ نے اپنے رسالہ ”الاعتدال“ و ”چہل حدیث“ میں ایک مضمون لکھا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی میں غور و فکر کرو کہ اسمیں اوّلین و آخرین کا علم ہے مگر کلامِ پاک کے معنی کے لئے جو شرائط و آداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے یہ نہیں کہ ہمارے زمانہ کی طرح سے جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اردو ترجمے دیکھکر اپنی رائے کو اس میں داخل کردے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح ہو تب بھی اُس نے خطا کی۔ مگر آجکل کے روشن خیال لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہر روشن خیال اس قدر جامع الاوصاف اور کامل و مکمل بننا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے بلکہ صرف اردو عبارت دلچسپ لکھنے لگے یا تقریر برجستہ کرنے لگے تو پھر وہ تصوّف میں جنید و شبلی کا استاد ہے۔ فقہ میں مستقل مجتہد ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے نہ اس کا پابند کہ سلف میں سے کسی کا یہ قول ہے یا نہیں، نہ اسکی پرواہ کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے،

وہ دین میں مذہب میں جو چاہے کہے، جو منہ میں آئے بکے کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اُس پر نکیر کر سکے یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے، جو یہ کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے وہ لکیر کا فقیر ہے، تنگ نظر ہے، پست خیال ہے تحقیقات عجیبہ سے عاری ہے۔ لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے، اسلاف نے جو کچھ کہا وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی بات نکالے وہ دین کا محقق ہے حالانکہ اہلِ فن نے تفسیر کیلئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے مختصرًا عرض کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ بطن کلامِ پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

اوّل لغت، جس سے کلامِ پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جاویں مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُس کو جائز نہیں کہ بدون معرفت لغاتِ عرب کے کلامِ پاک میں کچھ لب کشائی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں، اِس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

دوسرے نحو کا جاننا ضروری ہے اِس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدّل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔ جیسے ایک شخص نے سپاھیانہ زندگی کا جوش پھیلانے کیلئے وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ! کافی ہے اللہ کے لئے مؤمنوں کو (صرف ایک عمل) قتال۔

تیسرے صَرف کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ بناء اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ جس

شخص سے علم الصرف فوت ہو گیا اُس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ زمخشری عجوبات تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی آیت يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ (جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اُسکے مقتدی اور پیشرو کے ساتھ) اس کی تفسیر صَرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اُن کی ماؤں کے ساتھ۔ امام کا لفظ جو مفرد تھا اُس کو اُم کی جمع سمجھ لیا۔ اگر وہ صَرف سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُم کی جمع امام نہیں آتی۔

چوتھے اشتقاق کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ لفظ جبکہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے۔ جیساکہ مسیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں۔ اور مساحت سے بھی ہے جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔

پانچویں علم معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیب معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے۔

چھٹے علم بیان کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں، مفسّر کے اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کہ کلامِ پاک جو سراسر اعجاز ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

آٹھویں علم قرأت کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ مختلف

قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہوجاتی ہے۔

نویں علمِ عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حق سبحانہٗ وتقدس پر صحیح نہیں۔ اس لئے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔

دسویں اصولِ فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جس سے وجوہ استدلال واستنباط معلوم ہوسکیں۔

گیارھویں اسبابِ نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شانِ نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شانِ نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

بارھویں ناسخ ومنسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمول بہا سے ممتاز ہوسکیں۔

تیرھویں علمِ فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

چودھویں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآن پاک مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

ان سب کے بعد پندرھواں وہ علم وہبی ہے جو حق سبحانہ وتقدس کا عطیۂ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے من عمل بما علم ورثہ اللّٰہ علم

ما لم یعلم (جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالےٰ شانہ ایسی چیزوں کا علم عطاء فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا)

اہل اصول نے لکھا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے کیلئے اس کے اصول کا جاننا ضروری ہے جو قرآن، حدیث اور اجماع ہے اور چوتھے قیاس جو ان ہی سے مستنبط ہو۔

پھر قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے چار چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے پہلا نظم قرآنی، صیغہ اور لغت کے اعتبار سے۔ اس کی بھی چار قسمیں ہیں:- خاص، عام، مشترک، مئول۔

دوسری قسم وجوہ بیان، اس کی بھی چار قسمیں ہیں:- ظاہر، نص، مفسر، محکم۔ اور چار قسمیں ان کے مقابل، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ۔

اور تیسری قسم نظم قرآن کے استعمال کو جاننا۔ یہ بھی چار قسمیں ہیں: حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ۔

اور چوتھی قسم قرآن پاک کی مراد پر مطلع ہونے کے طُرق، یہ بھی چار ہیں:- عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص۔

اور ان سب کے بعد بھی ایک مستقل قسم ہے جو سب کو شامل ہے۔ یہ بھی چار ہیں:- مأخذ اشتقاق کو جاننا۔ ان کے مفاہیم اصطلاحیہ کو جاننا اور ان کی ترتیب کو جاننا اور ان پر مرتّب ہونے والے احکام کو جاننا۔ امر کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ کہاں وجوب کیلئے ہے اور کہاں جواز کیلئے اور استحباب کیلئے اور تکرار کیلئے۔ قرآن پاک میں لفظ "ادا" کبھی "قضا" کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قضا، ادا کے معنی میں۔ نیز امر کبھی مطلق ہوتا ہے کبھی مقید، امرِ مقید

کی چار قسمیں ہیں۔ یہ سب امور اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں، ہم نے یہ نورالانوار سے مختصراً نقل کئے ہیں۔

ابوداؤد شریف (بذل ج۵ ص۱۹۱) میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ تمہارے بعد فتنوں کا زمانہ آنے والا ہے کہ مال کی کثرت ہو جائیگی اور قرآن عام ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کو مؤمن اور منافق، مرد، عورت، بڑا، چھوٹا غلام، آزاد سب پڑھنے لگیں گے تو ایک کہنے والا کہے گا کہ لوگ میری اتباع کیوں نہیں کرتے، حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے۔ یہ اس وقت تک میری اتباع نہیں کریں گے یہاں تک کہ میں کوئی نئی بات نہ گھڑوں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ اپنے کو نئی نئی بدعتوں سے بچاتے رہیو۔ کیونکہ جو بدعت نکالی جائے گی وہ گمراہی ہوگی۔ فقط۔

جو لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا میں قرآن کو پھیلا دیا وہ حدیث بالا کی روشنی میں موجبِ ہلاکت و فساد ہے، قرآنِ پاک کا ترجمہ برکت کیواسطے موجبِ برکت لیکن مسائل کا استنباط کرنا علومِ قرآن سے واقفیت کے بغیر ہرگز جائز نہیں تاوقتیکہ ان علوم سے واقفیت نہ ہو جن کا ذکر مفصّل اوپر گذرا کہ احکام کا مستنبط کرنا ان علوم پر موقوف ہے جو اُوپر گذرے۔ درمنثور میں حضرت ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ الآیۃ۔ اس سے مراد ہے قرآن کی معرفت، اس کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مقدّم و مؤخر، حلال و حرام اور اس کے امثال وغیرہ کو جاننا۔

حدیث

حدیث کے سمجھنے کیلئے اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے جو امور جاننے ضروری ہیں جن کی تفصیل اُوپر گذر چکی وہ سب حدیث پر عمل کرنے کیلئے بھی ضروری ہیں اور ان کے علاوہ چونکہ قرآن پاک قطعی ہے اس لئے احادیث میں جو امور قطعی ہیں جیسے پانچ وقت کی نماز اور ہر نماز کی رکعات۔ اس کے علاوہ چوں کہ احادیث ظنی بھی ہیں ان پر عمل کرنے کیلئے چند امور کا جاننا مزید ضروری ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نخبۃ الفکر (جو اصول حدیث کی کتاب ہے) میں انواع حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ حدیث پاک اگر اتنے کثیر راویوں سے منقول ہو کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو اور یہ اتنی کثرت ہر دَور میں پائی جاتی ہو تو یہ حدیث متواتر ہے اور یہ حدیث قطعی ہوتی ہے قرآنِ پاک کی طرح۔ اور اگر اسکے راوی کسی دَور میں اس کثرت کے ساتھ نہ باقی رہیں تو اس کو مشہور کہتے ہیں تیسری قسم عزیز ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں دو، دو ہوں، اور اگر ایک ہی راوی ہو تو اس کو غریب کہتے ہیں۔ یہ دونوں اخبار آحاد میں داخل ہیں۔ اور خبر آحاد میں بعض مقبول ہوتی ہیں بعض غیر مقبول، جو راویوں کی تحقیقِ حال کے بعد متعین کیجاتی ہیں۔ پھر غرابت میں بھی کئی قسمیں ہیں کہ اوّل سند کے اعتبار سے ہو یا آخر سند کے اعتبار سے۔ اور خبرِ واحد کا راوی اگر عادل ہو، حفظ کے اعتبار سے کامل ہو اور حدیث متصل السند ہو اور معلل اور شاذ نہ ہو تو اُس کو حدیثِ صحیح کہتے ہیں۔

معلل اسے کہتے ہیں کہ جس کے اندر کوئی مخفی علت ہو۔ اور شاذ اسے کہتے ہیں کہ ثقہ راوی دوسرے ثقات کے خلاف روایت کرے اور ان اوصاف کے کم و بیش ہونے سے روایت کے درجہ صحت میں بھی کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔ اعلیٰ درجہ صحیح لذاتہ کا ہے، دوسرا درجہ صحیح لغیرہ کا ہے۔ اسی طرح حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔ اس طرح سے حدیث کا معروف ومنکر ہونا، محفوظ ہونا، متابع وشاھد ہونا، یہ اقسام حدیث ہیں جن کی تعریفیں معلوم ہونی ضروری ہیں تاکہ حدیث کا درجہ معلوم ہوسکے۔ اگر دو متعارض حدیثوں میں جمع ممکن ہو تو مختلف الاحادیث کہلاتی ہیں۔ اور جمع ممکن نہ ہو اور تاریخ معلوم ہوجائے تو ناسخ ومنسوخ کہتے ہیں۔ اور اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو پھر وجوہ ترجیح میں سے کسی کے ذریعہ سے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیں گے۔ اور وجوہ ترجیح حازمی نے "کتاب الاعتبار" میں پچاس گنوائی ہیں۔ اور علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ دوسرے علماء نے سو سے زائد وجوہ ترجیح بتائی ہیں۔ چنانچہ حافظ عراقی نے اپنی کتاب النکت میں سو گنوائے ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں سو سے زائد گنوا کر لکھا ہے کہ اس سے زائد ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا مفصل مضمون آگے آرہا ہے جسمیں انھوں نے کسی حدیث پاک پر عمل نہ کرنے اور معمول بہ نہ قرار دینے کی دس وجہیں بیان کی ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ وجوہ تو ظاہر ہیں اور بعض احادیث ایسی ہوتی ہیں جن پر عمل ترک کرنے کیلئے متبحر عالم کے پاس کوئی ایسی وجہ ہوتی ہے جس کو وہ ظاہر نہیں کرتا۔ کیونکہ علم کا میدان بہت وسیع ہے اور ہم ان سب چیزوں کو نہیں سمجھتے جو ان علماء کے ذہنوں میں تھیں اور عالم کبھی اپنی حجت ظاہر کرتا ہے اور کبھی ظاہر نہیں کرتا۔ اور اگر ظاہر بھی کرے تو ہم تک بسا اوقات

اس کا کلام پہنچتا ہے اور کبھی نہیں پہنچتا اور .... اگر ہم تک پہنچ بھی جائے تو کبھی ہم اس کے احتجاج کی وجہ سمجھتے ہیں اور کبھی نہیں سمجھ پاتے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا پورا کلام آگے آرہا ہے۔

آگے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر وجوہ ترجیح میں سے کوئی نہ پائی جائے تو وہاں توقف کیا جاتا ہے۔ اور روایت کبھی کسی راوی کے چھوٹنے کی وجہ سے اور کبھی کسی راوی میں طعن کی وجہ سے غیر مقبول ہوجاتی ہے۔ سند میں جو راوی چھوٹ گیا اگر وہ سند کے اوپر کی جانب یعنی درجۂ صحابہؓ میں ہے تو اس کو مرسل کہیں گے۔ اور اگر مصنف کے استاد کی طرف سے ہو تو معلق کہلائے گی اور اگر کوئی راوی درمیان سند سے ساقط ہوجائے تو ایسی حدیث کو منقطع کہتے ہیں۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ راوی پے درپے چھوٹ گئے ہوں تو اس کو معضل کہتے ہیں۔ اور اگر یہ انقطاع ظاہر ہو تو ظاہر ہے ہی اور اگر ظاہر نہ ہو تو اس کو مدلس کہیں گے۔ پھر جن وجوہ سے راوی میں طعن ہوتا ہے اس کی دس قسمیں ہیں:۔

احادیث پر عمل کرنے کیلئے اصول حدیث پر واقفیت بہت ضروری ہے۔ نمونہ کے طور پر چند انواع ذکر کئے۔ ان کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث مقلوب مضطرب، مصحف، محرف، مرفوع، مقطوع۔ مسند، العلو المطلق، العلو النسبی، الموافقۃ، پھر اس میں بدل مساوات۔ مصافحہ نزول، اقران، مدبج، روایت الاکابر عن الاصاغر، السابق واللاحق مسلسل متفق ومفترق، مؤتلف ومختلف، متشابہ وغیرہ ابحاث کا جاننا ضروری ہے۔

یہ حدیث کیلئے کافی نہیں کہ کسی حدیث کے ترجمہ کی کتاب دیکھ لی جائے اور محدّث بن گئے اور اس سے مسائل کا استنباط شروع کر دیا۔ اور ان ابحاث میں حافظ ابن حجر نے خود لکھدیا کہ ان سب ابحاث کا اس مختصر میں آنا مشکل ہے ان کیلئے مطوّلات دیکھی جائیں محض کسی حدیث کے ترجمہ کی کتاب یا فضائل کی کتاب دیکھ لینا کافی نہیں محدّث بننا بہت مشکل ہے ۔ اسی طرح مترجَم قرآن پڑھ لینا قرآن دانی کیلئے کافی نہیں تاوقتیکہ اس کے سب علوم سے واقفیت نہ ہو ورنہ سخت غلطی میں ابتلاء کا اندیشہ ہے ۔ جیسے ایک صاحب اہلِ حدیث کا طریقہ تھا کہ جب بھی استنجے سے فارغ ہو کر آتے تو نمازِ وتر کی نیت باندھ لیتے کسی نے دریافت کیا کہ کیا پڑھتے ہو تو جواب دیا کہ حدیث میں ہے مَنْ اِسْتَجْمَرَ فَلْیُوتِرْ (کہ جو شخص استنجا کرے اس کو چاہیئے کہ وتر پڑھے) حالانکہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص استنجا کرے اس کو وتر یعنی طاق عدد ڈھیلوں سے استنجا کرنا چاہیئے ۔ یہاں ان سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے عدد وتر کو نماز وتر سمجھا جو کھلی غلطی ہوئی ۔

اسی طرح ایک صاحب اپنے کنویں سے دوسرے کو پانی کھیت میں دینے نہیں دیتے تھے اور سختی سے روکتے کیونکہ حدیث میں ہے ولا یسقی احدکم ماءہ زرع غیرہ (کوئی شخص اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں نہ ڈالے) حالانکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی عورت مثلاً باندی دوسرے سے حاملہ ہو اور اس کی مِلک میں آئے تو یہ اُس سے صحبت نہ کرے ۔ ماء سے مراد منی ہے اور زرع سے مراد شرمگاہ ہے ۔ اور اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں جن کو ابن الجوزی نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے ۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین رضؓ سے پوچھا کہ تم بہت سی ایسی حدیثیں بتاتے ہو جن کی کوئی اصل قرآن میں نہیں ہوتی تو حضرت عمران بن حصین رضؓ غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں کہیں پایا کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ کا ہوگا، اور اتنی اتنی بکریوں میں اتنی بکریاں زکوٰۃ کی ہوں گی اور اتنے اتنے اونٹوں میں اتنے اُونٹ ہوں گے ۔ کیا یہ سب چیزیں قرآن میں پائی ہیں ؟ اُس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا کہ تم نے کہاں سے یہ چیزیں لیں ۔ تم نے ہم سے اور ہم نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ۔ اور بہت سی چیزیں اسی طرح جزئی مسائل کی زکوٰۃ کے علاوہ ذکر فرمائیں جن کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے حدیث کا جاننا بہت ضروری ہے ، اور ان سب کے جاننے کیلئے قرآن و حدیث کیلئے جو اُمور اُوپر مذکور ہوئے جاننا ضروری ہیں ۔

اس مضمون کے ختم پر حضرت امام بخاریؒ نے محدّث کیلئے ایک چوکڑا ارشاد فرمایا ہے جو رباعیاتِ بخاریؒ سے مشہور ہے مقدمہ اوجز میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور میرے رسالہ اختلاف الائمہ[عہ] میں بھی ہے ۔ اسی سے یہاں بھی نقل کرتا ہوں :۔

محدّثین نے علم حدیث کے توغل کیلئے اس کی بصیرت اور اس میں زبان و قلم ہلانے کے لئے بڑے سخت قواعد مرتب فرمائے ہیں ۔ طالب حدیث کیلئے بھی قواعد و شرائط مقرر فرمائے ہیں ۔ محدّث و معلّم کیلئے اس سے زیادہ اونچی اور سخت حدود معیّن فرمائی ہیں ۔ اگرچہ مضمون بے ارادہ

عہ یہ رسالہ اشاعت العلوم سہارنپور ہند اور دیگر کتب خانوں سے حاصل کیجئے ۔

طویل ہوتا جا رہا ہے لیکن وقتی ضرورت سے امام بخاری کی ایک عجیب حکایت اس جگہ نقل کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ علمِ حدیث کے حاصل کرنے کے لئے اور اس کا طالبِ علم بننے کیلئے بھی سلف صالحین نے کس قدر جانکاہی کو ضروری قرار دیا ہے چہ جائیکہ محدثیت و مشیخت۔

محمد ابن احمد کہتے ہیں کہ جب ولید ابن ابراہیم مقام ری کے قضا سے معزول ہو کر بخارا پہنچے تو میرے استاذ ابو ابراہیم ختلی مجھے ساتھ لے کر انکی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ نے جو روایات حدیث ہمارے مشائخ اور اساتذہ سے سُنی ہیں اُن کو روایت کر دیجئے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے احادیث کی روایات نہیں سُنیں، میرے اُستاذ نے بڑے تعجب سے پُوچھا کہ آپ اتنے بڑے فقیہ متبحر ہو کر ایسی بات فرماتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنا قصہ سُنایا کہ جب میں عاقل بالغ ہوگیا اور مجھے علمِ حدیث کا شوق ہوا تو میں امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غرض ظاہر کی۔ انہوں نے ناصحانہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا جب کسی کام کا ارادہ کرو تو اس سے پہلے اس کے متعلق اس کے لوازمات حالات دریافت کر لینا چاہئیں۔ اس کی حدود معلوم کرنیکے بعد اس کا ارادہ کرنا چاہیئے۔ اب سنو! کہ آدمی محدث کامل اُس وقت تک نہیں ہو سکتا کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ ایسے لکھے جیسے کہ چار چیزیں چار چیزوں کے ساتھ مثل چار چیزوں کے چار زمانوں میں چار حالات کے ساتھ چار مقامات میں چار چیزوں پر چار نوع کے اشخاص سے چار اغراض کیلئے۔ اور یہ سب چوکڑے پورے نہیں ہو سکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو دوسرے چار کے ساتھ ہوں، اور جب یہ سب پُورے

ہو جاویں تو اس پر چار چیزیں سہل ہو جاتی ہیں اور چار مصائب کے ساتھ مبتلا ہوتا ہے اور جب ان پر بھی صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں اکرام فرماتے ہیں اور چار چیزیں آخرت میں نصیب فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں ان چوکڑوں کی تفسیر تو فرما دیجئے۔

انہوں نے فرمایا، ہاں ہاں سنو!

وہ چار، جن کے لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فرمودہ احادیث اور احکامات اور صحابہؓ کے ارشادات اور ان صحابہ کے مراتب کہ کون شخص کس درجہ کا ہے اور تابعین کے ارشادات اور ان کے حالات کہ کون شخص معتبر ہے اور کون غیر معتبر اور جملہ علماء رواۃ کے حالات اور ان کی تواریخ مع ان چار چیزوں کے کہ ان کے اسماء رجال لکھے، ان کی کنیتیں، ان کے رہنے کے مقامات اور ان کی پیدائش و وفات کے زمانے (جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جن لوگوں سے روایت کر رہا ہے اُن سے ملاقات بھی ہوئی ہے یا نہیں) ایسی لازمی ہے جیسے خطبے کے ساتھ حمد و ثنا اور رُسل کے ساتھ دعا، یعنی ان پر صلوٰۃ وسلام اور سورت کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے ساتھ تکبیر (اور مثل چار چیزوں کے) جیسے مسندات، مرسلات، موقوفات، مقطوعات، کہ یہ علمِ حدیث کی چار اقسام کے نام ہیں (چار زمانوں میں) بچپن میں، قریب البلوغ زمانہ میں، بالغ ہونے کے بعد اور بڑھاپے سے پہلے تک (حاصل کرتا ہے) اور چار حالات کا مطلب یہ ہے کہ مشغولی کے وقت، فراغت کے وقت، تنگی میں اور تونگری میں۔ غرض ہر حال میں اسی طرف لگا رہے اور اسی کی دُھن ہو (چار مقامات میں) یعنی پہاڑوں پر، دریاؤں میں، شہروں میں، جنگلوں میں

غرض جہاں جہاں کوئی معلم حدیث معلوم ہوسکے اس سے حاصل کرے (چار چیزوں پر) یعنی پتھروں پر، سیپیوں پر، چمڑے پر، ہڈیوں پر، غرض اس وقت تک کہ کاغذ ملے اور اس پر لکھنے اور نقل کرنے کی نوبت آوے جو چیز ملے اس پر لکھدے تاکہ مضمون ذہن سے نہ نکل جاوے اور جن چار سے حاصل کرے وہ اپنے سے بڑے اور چھوٹے اور برابر کے اور اپنے باپ کی کتب سے بشرطیکہ اس کا خط پہچانتا ہو (غرض جس طرح بھی معلوم ہوسکے کوتاہی نہ کرے نہ اپنے برابر والے سے یا چھوٹے سے حاصل کرنے میں عار کرے) چار چیزوں کی نیت سے سب سے مقدم حق سُبحانہٗ تقدس کی رضا کے واسطے کہ آقا کی رضا کا طالب رہنا غلام کا فرض ہے۔ دوسرے جو مضامین کتاب اللہ کے موافق ہوں ان پر عمل، تیسرے طالبین و شائقین تک پہنچانا۔ چوتھے تصنیف و تالیف کہ بعد میں آنیوالوں کے لئے شمع ہدایت باقی رہے۔ اور یہ سب مذکورہ بالا حاصل نہیں ہوسکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کی کسبی ہیں کہ آدمی اپنی محنت سے مشقت سے ان کو حاصل کرسکتا ہے، وہ علم کتابت یعنی لکھنا اور علم لغت کہ جس سے الفاظ کے مطالب معلوم ہوسکیں اور صرف و نحو کہ جن سے الفاظ کی صحت معلوم ہوسکے اور یہ سب ایسی چار چیزوں پر موقوف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی عطایائے محضہ ہیں۔ بندہ کے کسب پر موقوف نہیں وہ صحت قدرت حرص علی التعلیم اور حافظہ۔ اور جب یہ سب حاصل ہوجاویں تو اس کی نگاہ میں چار چیزیں (طلب علوم کے مقابلہ میں) حقیر ہوجاتی ہیں۔ اہل اولاد۔ مال اور وطن اور پھر چار مصائب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ دشمنوں کی شماتت، دوستوں کی ملامت

جاہلوں کے طعنے اور علماء کا حسد۔ اور جب آدمی ان سب پر صبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ چار چیزیں دُنیا میں نصیب فرماتے ہیں اور چار آخرت میں دنیا کی چار حسبِ ذیل ہیں:۔ اوّل قناعت کے ساتھ عزّت دوسرے کمال یقین کے ساتھ وقار و ہیبت اور تیسرے لذّتِ علم اور چوتھے دائمی زندگی۔ اور آخرت کی چار یہ ہیں:۔ اوّل شفاعت جس کے لئے دل چاہے۔ دوسرے عرش کا سایہ اس روز جس دن کہ اس کے سوا کوئی سایہ ہی نہیں ہوگا، تیسرے حوض کوثر سے جس کو دل چاہے پانی پلائے۔ چوتھے انبیاءؑ کا قُرب اعلیٰ علیّین میں۔

پس بیٹا! میں نے جو کچھ اپنے مشائخ سے متفرق طور پر سُنا تھا مجملاً سب بتادیا ہے۔ اب تجھے اختیار ہے کہ حدیث کا مشغلہ اختیار کر یا نہ کر۔

فقط۔

فِقہ

فقہ کی تعریف جو عام طور سے فقہاء کرام نے لکھی ہے یہ ہے کہ:
فقہ کہتے ہیں شریعت کے فروعی احکام جاننے کو جو تفصیلی دلائل سے حاصل ہوں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف اس طرح منقول ہے کہ "فقہ کہتے ہیں نفس کے لئے مضر اور نافع چیزوں کے جاننے کو" لیکن امام صاحب کی یہ تعریف عقائد اور اخلاق اور اعمالِ ظاہرہ سب کو شامل ہے لیکن بعد والوں نے اعتقادیات کے متعلقات کا نام علم الکلام رکھدیا اور اخلاقیات کے متعلقات کا نام علم الاخلاق و تصوف رکھدیا اور اعمال ظاہرہ کے متعلقات کو فقہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے مقدمہ کنز الدقائق میں حاوی قدسی سے نقل فرمایا ہے کہ فقہ کے معنی لغت میں وقوف یعنی واقفیت اور اطلاع کے ہیں اور شریعت میں وقوف خاص یعنی مخصوص علم مراد ہے یعنی نصوص کے معانی اور ان کے اشارات و دلالات اور مقتضیات پر وقوف۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ فقہ ایک ایسی قوت و استعداد ہے جس سے منقول کی تصحیح اور معقول کی ترجیح کی جاتی ہے...... اور ماخذ فقہ کا قرآن پاک، سُنّت مطہرہ، اجماع اور قیاس (جیساکہ شروع میں نور الانوار سے منقول ہوچکا) ہے۔ لہٰذا فقہ کیلئے بھی ان چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے جو قرآن و حدیث کے ذیل میں

لکھا جا چکا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے التکشف میں یہ لکھا ہے "شریعت نام ہے مجموعۂ احکام تکلیفیہ کا، اس میں اعمال ظاہری و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس کا مرادف سمجھتے تھے جیسے امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف میں یہ منقول ہے معرفۃ النفس ما لها و ما عليها پھر متأخرین کی اصطلاح میں اعمال ظاہرہ سے متعلق علم کا نام فقہ ہوگیا ہے اور اعمالِ باطنہ سے متعلق علم کا نام تصوّف و طریقت ہوگیا۔" (التکشف ص۱۵) یہ مضمون حضرت نے امداد الفتاویٰ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

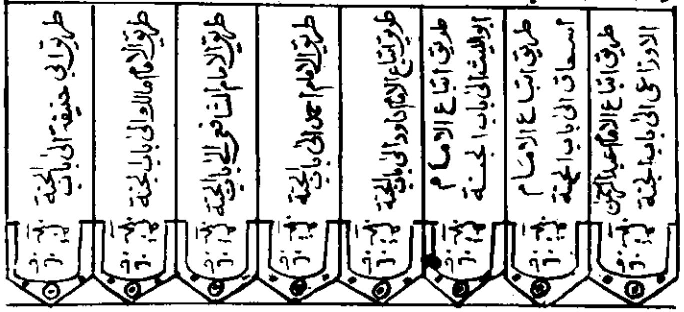
علامہ عبد الوہاب شعرانی نے المیزان الکبریٰ (ص۱۶۲) ایک کتاب لکھی ہے جو مجھے تو بہت پسند آئی اور طالب علمی کے اخیر زمانہ میں اور مدرسی کے ابتدائی زمانہ میں بہت کثرت سے میرے مطالعہ میں رہی۔ ان کی کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین میں حقیقت کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں۔ ظاہری طور پر جو اختلاف نظر آتا ہے وہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے مثلاً امام ابو حنیفہؒ نے رفع یدین کا انکار اپنے زمانہ کے اعتبار سے کیا اور حضرت امام شافعیؒ نے رفع یدین کا اثبات اپنے زمانہ کے اعتبار سے کیا۔ امام ابو حنیفہؒ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور رفع یدین کی حقیقت طرح الدنیا وراء ظہرہ ہے ان کے زمانہ میں ایک دفعہ جب دنیا کو پھینک دیا تو پھر وہ نماز میں ہٹ کر نہیں آوے تھی اور حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ میں کہ ان کی پیدائش اس سال میں تھی جس سال میں امام ابو حنیفہؒ کا انتقال ہوا۔

دنیا پھینکنے کے بعد پھر آگئی تھی اس لئے دنیا کو بار بار رفع یدین سے پیچھے پھینکنا پڑے تھا نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مَس ذکر سے وضو ٹوٹنا اکابر کے لئے ہے اور نہ ٹوٹنا عوام کے لئے اگرچہ احتیاط حنفیہ کے یہاں بھی یہی ہے کہ وضو کریں تاکہ خروج عن الخلاف ہو (میزان صـ۱۳۰)

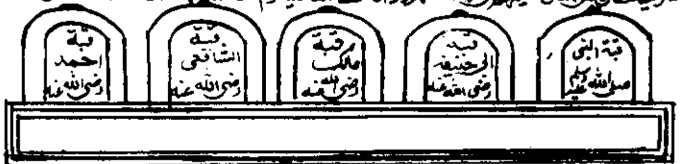
امام شعرانی نے اپنے مراقبہ اور مکاشفے سے اختلاف ائمہ کے سلسلہ میں بہت سے قبّوں کے نقشے دیئے ہیں۔ اور تشکیلوں سے بہت سی مثالیں قائم کی ہیں جن کی صورتیں جدولوں کے طور سے بنائی ہیں، ہم ان میں سے صرف دو ذکر کرتے ہیں۔

(یہ صورتیں اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

وهذا امثال طرق مذاهب الائمة المجتهدين الى ابواب الجنة وان كل من عمل بمذهب منها خالصا اوصله الى باب الجنة



وهذا امثال قباب الائمة المجتهدين على نهر الحياة فى الجنة الذى هو مظهر بحر الشريعة المطهرة فى الدنيا وانما ذكر نا فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم مع قباب الائمة الاربعة لانهم ما نالوا هذا المقام الا باتباع شريعته فكان من كمال نعيمهم فى الجنة شهود ذاته صلى الله عليه وسلم فتاملوا تهتدوا ان شاء الله تعالى :



امام شعرانی نے پہلی مثال کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نقشہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب کے راستوں کی ایک مثال ہے اور یہ راستے سیدھے جنت کی طرف جا رہے ہیں۔ جو شخص بھی خلوص کے ساتھ ان مذاہب میں سے کسی ایک پر عمل کریگا وہ (انشاء اللہ) سیدھا جنت کے دروازہ پر پہنچے گا۔ اور دوسری مثال کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ائمہ مجتہدین کے قبوں اور منزلوں کا نقشہ ہے جو واقع ہے جنت کی نہر حیات پر جس کا دنیا میں وجود بصورت دریائے شریعت مطہرہ ہے اور ہم نے اس نقشہ میں ائمہ کے قبوں کے متصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے ذکر کیا ہے کہ ان حضرات ائمہ اربعہ کو یہ جو کچھ مقام عالی حاصل ہوا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اتباع کا نتیجہ ہے پس جنت میں انکی نعمتوں اور راحتوں کا کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باکمال وجمال کے مشاہدہ اور حضور میں منحصر ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ہم نے تمام ائمہ مجتہدین میں سے صرف ائمہ اربعہ کو نقشہ میں اسلئے لیا ہے کہ ان چاروں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ باقی ائمہ میں سے صرف انھیں کا فقہ اور انہی کے مذاہب شروع سے اب تک دنیا میں مدون ومرتب اور محفوظ ہیں۔ اور ان چار کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نیابت حاصل ہے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت محمدیہ تک رہنمائی کرنے میں اور ان چار حضرات کو آپ سے ایسی خصوصی وابستگی ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چاروں ائمہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ دنیا میں جدا ہیں اور نہ آخرت میں۔ اس نقشہ میں جس ترتیب سے میں نے قبے بنائے ہیں وہ عقلی اور کوئی قیاسی نہیں ہے بلکہ انکی اس شکل کے مطابق ہے جو میں نے جنت میں اپنے بعض احوال میں دیکھی ہے۔

فالحمد للہ رب العالمین

امام شعرانیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا نام سب سے اوپر کے جدول اور قبہ میں لکھا اور اس کا منشاء و ماخذ اپنے کشف کو قرار دیا ہے ۔ کیونکہ امام شعرانی اصحابِ کشوف میں سے تھے ۔ میرے خیال میں ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ ائمہ اربعہ کے زمانے اسی ترتیب سے ہیں جس ترتیب پر یہ قبے ان پر منکشف ہوئے ۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہے اور وفات ۱۵۰ھ میں ہے ۔ مدتِ حیات ستّر سال ۔ امام مالکؒ کی ولادت ۹۵ھ میں ہے اور وفات ۱۷۹ھ میں ہے ۔ مدت حیات چوراسی سال ۔ امام شافعیؒ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہے اور وفات ۲۰۴ھ میں ہے ، مدتِ حیات چوّن سال امام احمدؒ کی ولادت ۱۶۴ھ میں ہے اور وفات ۲۴۱ھ میں ہے ، مدّتِ حیات ستّتر سال ۔

میرے خیال میں امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعظم فضائل کے اعتبار سے تو کہا جاتا ہی ہے عمر کے اعتبار سے بھی امام اعظم سب سے بڑے ہیں ۔ تکمیلاً للفائدہ ائمہ ستہ حدیث کا بھی زمانہ لکھتا ہوں ۔

امام بخاریؒ	ولادت ۱۹۴ھ	وفات ۲۵۶ھ	مدت حیات ۶۲ سال
امام مسلمؒ	″ ۲۰۴ھ	″ ۲۶۱ھ	″ ۵۷ ″
امام ابوداودؒ	″ ۲۰۲ھ	″ ۲۷۵ھ	″ ۷۳ ″
امام ترمذیؒ	″ ۲۰۹ھ	″ ۲۷۹ھ	″ ۷۰ ″
امام نسائیؒ	″ ۲۱۵ھ	″ ۳۰۳ھ	″ ۸۸ ″
امام ابن ماجہ	″ ۲۰۹ھ	″ ۲۷۳ھ	″ ۶۴ ″

ان میں سے اکثر تواریخ وسنین صاحب مشکوٰۃ کی مشہور تالیف الاکمال سے ماخوذ ہیں ۔

اجتہاد

اجتہاد کے متعلق جناب الحاج مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ ص ۱۲۲/۱ میں لکھا ہے کہ علمائے سلف نے ایسے عالم کیلئے جس کی تقلید کرنی چاہیئے (یعنی مجتہد کیلئے) ایک معیار مقرر کیا ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرّہٗ محدث دہلوی اپنی کتاب عقد الجید میں فرماتے ہیں اجتہاد کی تعریف جو کلام علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ خوب محنت کرنا دریافت کرنے میں شریعت کے احکامِ فرعی کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جن کی کلیات کا حال چار قسم پر ہے ، یعنی کتاب اور سُنّت اور اجماع اور قیاس پر ۔ اور اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد والے کو ضروری ہے کہ قرآن وحدیث اس قدر جانتا ہو کہ جو احکام سے متعلق ہے اور اجماع کے موقعوں اور قیاس صحیح کی شرطوں اور نظر کی کیفیت اور علمِ عربیت اور ناسخ اور منسُوخ اور راویوں کے حال سے واقف ہو ۔ اور اجتہاد میں علمِ کلام اور اصطلاحی علم فقہ کی کچھ حاجت نہیں .... اور یہ جو ہم نے اجتہاد کی شرط ذکر کی ہے اصول کی کتابوں میں مشروح موجود ہے ۔ اور کچھ مضائقہ نہیں کہ امام بغوی کا قول اس مقام میں یعنی بیان شرط اجتہاد میں ذکر کیا جائے ۔ بغوی نے کہا ہے کہ مجتہد وہ عالِم ہے کہ پانچ طرح کے علم کا حاوی ہو : اوّل علم کتابُ اللہ یعنی قرآن مجید کا ۔ دوم علمِ حدیث رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ۔ سوم علمِ علماء سلف کے اقوال کا کہ اُن کا اتفاق کس قول پر ہے ۔

اور اختلاف کس قول میں ۔ چہارم علم لغت عربی کا۔ پنجم علم قیاس کا اور قیاس طریقہ حکم کے نکالنے کا قرآن وحدیث سے ہے جس صورت میں کہ حکم مذکور صریح قرآن یا حدیث یا اجماع کے نصوص میں مجتہد نہ پاوے۔

(اب ان پانچوں علموں کی مقدار مفصّل معلوم کرنی چاہیئے کہ مجتہد کے لئے ہر ایک علم کتنا سیکھنا چاہیئے) تو قرآن کے علم میں سے اس پر ان باتوں کا جاننا واجب ہے۔ ناسخ ومنسوخ وغیر (اس کی تفصیل عنوان قرآن پاک کے ذیل میں گذر گئی) اور حدیث میں سے ان اشیاء مذکورہ کا جاننا اور نیز صحیح وغیرہ (جن کا بیان عنوان حدیث کے ذیل میں گذر چکا) اسی طرح زبان عربی کے ان الفاظ کا جاننا واجب ہے، جو قرآن یا حدیث کے احکامی امور میں واقع ہوئے ہیں نہ یہ کہ سب لغتِ عربی کو جانے۔ اور بہتر یہ ہے کہ لغت دانی میں اتنی محنت کرے کہ عرب کے کلام کے مقصود سے واقف ہو جاوے۔ اس طرح کہ اختلاف مواقع اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے یہ مراد ہوتی ہے اس لئے کہ خطاب شریعت عربی زبان میں وارد ہوا ہے تو جو شخص عربی نہ جانے گا وہ شارع علیہ السّلام کا مقصود نہ پہچانے گا اور اقوال صحابہ اور تابعین میں سے اس قدر جانے جو درباب احکام منقول ہیں۔ اور بڑا حصّہ ان فتووں کا جانے جو اُمت کے فقہاء نے دیئے ہیں تاکہ اس کا حکم مخالف سلف کے اقوال کے نہ پڑے ورنہ اس صورت میں اجماع کی مخالفت ہوگی اور جب ان پانچوں اقسام کے علموں میں سے بڑا حصّہ جانتا ہوگا تو وہ شخص اس وقت مجتہد ہوگا اور یہ شرط نہیں کہ سب علموں کو بالکل جانتا ہو حتی کہ کوئی چیز ان علوم کی اس سے باقی نہ رہے اور اگر ان علوم پنجگانہ میں سے ایک قسم سے بھی ناواقف ہو تو اس کی سبیل دوسرے کی تقلید کرنا ہے۔ انتہٰی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مغنی ص ۳۸۳/۱۱ میں لکھتے ہیں کہ اجتہاد کی شرطوں میں سے چھ چیزوں کا جاننا ہے۔ قرآن[۱] پاک، حدیث[۲] شریف، اجماع[۳]، اختلاف[۴] قیاس[۵] اور عربی[۶] زبان۔ قرآن پاک کے بارے میں دس چیزوں کا جاننا ضروری ہے خاص عام وغیرہ (اس کی تفصیل پہلے گذر چکی) اور حدیث میں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہیں نہ ساری احادیث جن میں جنّت دوزخ وغیرہ کا ذکر ہے اور قرآن پاک کیلئے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے وہ سب احادیثِ پاک کیلئے بھی ضروری ہے۔ ان کے علاوہ احادیث کے اقسام آحاد وغیرہ (ان کی تفصیل پہلے گذر چکی) اور ان مسائل کا جاننا ضروری ہے جو علماء میں مجمع علیہا یا مختلف فیہا ہیں اور قیاس میں اس کے شرائط، انواع کیفیت استنباط وغیرہ کا جاننا ضروری ہے۔ اور عربی زبان میں سے اتنی مقدار کا جاننا جو امور مذکورہ کے متعلق ہو۔

حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین ص ۴۶/۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خطیب نے کتاب الفقیہ والمتفقہ میں امام شافعی کا ارشاد نقل کیا ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فتویٰ دے۔ سوائے اس شخص کے جو کتاب اللہ کا عالم ہو اور اس کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، تاویل وتنزیل، مکی ومدنی اور اس کی مراد سے واقف ہو۔ اور ان سب کے بعد حدیث شریف سے بھی واقف ہو اور اس کے ناسخ ومنسوخ وغیرہ اور قرآن کے بارے میں جو علوم گذرے حدیث کے بارے میں بھی ان سب کو جانتا ہو۔ اس کے بعد لغتِ عربی سے واقف ہو اور اشعار عرب سے بھی واقف ہو۔ اور قرآن وحدیث کے سمجھنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سب کو جانتا ہو۔ اور اس سب کے بعد علماء کے

اختلاف اقوال سے بھی واقف ہو۔ اور یہ سب چیزیں اس کی (کثرت ممارست کی وجہ سے) طبعی بن جائیں۔ جب اس کا یہ حال ہو تو اس کیلئے جائز ہے کہ فتوای دے اور جو اس درجہ تک نہ پہنچے اُس کو فتوای دینا جائز نہیں۔ اور صالح ابن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبلؒ) سے پوچھا کہ آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ حدیث کے موافق فتوای دیدے اور فقہ سے واقف نہ ہو؟ تو فرمایا کہ جب کوئی شخص منصبِ افتاء پر بیٹھے تو اُس کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی وجوہ سے واقف ہو، احادیث سے واقف ہو اور اسانید صحیحہ کا عالم ہو اور اس کے بعد اوپر والا سارا کلام (امام شافعی صاحبؒ والا) ذکر کیا۔ اور عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو فتوای دینا کب جائز ہے تو فرمایا کہ جب احادیث سے واقف ہو اور رائے میں بصیرت رکھتا ہو۔ اور یحیٰی ابن اکثمؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو فتوای دینا کب درست ہے؟ تو فرمایا کہ جب رائے میں بھی بصیرت رکھتا ہو اور احادیث میں بھی بصیرت رکھتا ہو۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رائے سے مراد قیاس صحیح اور معانی اور عللِ صحیحہ مراد ہیں جن پر شارعؑ نے احکام کا مدار رکھا ہے اور ان کو احکام میں مؤثر بنایا ہے۔ (اعلام الموقعین ص۴۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ عقد الجید ص۵ میں فرماتے ہیں کہ جو شخص ان علوم (مذکورۂ بالا) کے معظم حصّہ کو جان لے تو وہ مجتہد ہے۔ رافعی نووی وغیرہ بہت سے حضرات نے (جن کا احصاء مشکل ہے) تصریح کی ہے کہ مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں، مستقل اور منتسب۔ اور ان کے کلام سے یہ ظاہر

ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل تین چیزوں میں ممتاز ہوتا ہے۔ اوّل اصول میں تصرف کر سکتا ہے جن پر اس کے مذہب کی بناء ہے۔ دوسرے یہ کہ آیات، احادیث اور آثار کا تتبع کرتا ہے ان مسائل کیلئے جو اُس کو درپیش ہیں اور ان میں متعارض دلائل میں سے راجح کو اختیار کرتا ہے اور ان ادلہ کے جو ماخذ ہیں ان پر متنبہ کرتا ہے۔ اور تیسرے ان نئے مسائل میں کلام کرتا ہے جن میں اب تک کلام نہیں ہوا ہے ان ہی ادلہ کی روشنی میں۔ اور مجتہد منتسب وہ ہے جو اصول میں تو اپنے شیخ کا متبع ہو اور تتبع ادلہ میں شیخ کے کلام سے اکثر مدد لیتا ہو اور وہ اس کے باوجود احکام کو دلائل سے جانتا ہو اور ان ادلہ سے مسائل مستنبط کرنے پر قادر ہو اور جو ان دونوں سے نیچے ہو وہ مجتہد فی المذہب کہلاتا ہے وہ اپنے امام کا مقلد ہوتا ہے جس مسئلہ میں امام کی تصریح مل جائے۔ لیکن وہ اپنے امام کے قواعد سے واقف ہوتا ہے جن سے امام نے مسائل کا استنباط کیا تو اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس میں امام کا کوئی نص نہیں ملتا تو وہ اپنے امام کے قواعد پر اجتہاد کر لیتا ہے اور مسائل کی تخریج کرتا ہے اُس کے قواعد پر۔ اور ان سب کے اخیر کا درجہ فی الفتیا کا ہے اور وہ اپنے امام کے مذہب میں متبحر ہوتا ہے اور ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینے پر قادر ہوتا ہے۔ انتہی۔

علامہ ابن عابدین نے اپنے رسالہ شرح عقود رسم المفتی میں فقہا کے سات طبقے تحریر فرمائے ہیں:۔

(۱) طبقۃ المجتہدین فی الشرع، جیسے ائمہ اربعہ وغیرہ جنہوں نے قواعد تجویز کئے اور فرعی مسائل کے احکام ادلہ اربعہ (کتاب، سُنّت، اجماع، قیاس) سے مستنبط کئے بغیر کسی کی تقلید کے فروع یا اصول میں۔

(۲) دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور وہ سارے امام ابوحنیفہؒ کے تلامیذ جنہوں نے امام صاحب کے قواعد کی روشنی میں احکام کی تخریج دلائل سے کی ہے اور ان حضرات نے اگرچہ بعض فروع میں اختلاف کیا ہے مگر اصول میں امام صاحب کے مقلد ہیں۔ اور یہی فرق ہے ان حضرات میں اور معارضین فی المذہب میں جیسے امام شافعی وغیرہ جو امام صاحب کے اصول میں مقلد نہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں امام صاحب سے کوئی نص منقول نہیں۔ جیسے خصاف طحاوی، کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی قاضی خان وغیرہ کہ یہ حضرات امام کی مخالفت نہ اصول میں کرتے ہیں نہ فروع میں لیکن ان مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن میں امام صاحب کا کوئی قول منقول نہیں، امام صاحب کے ہی اصول مقررہ پر۔

(۴) چوتھا طبقہ اصحاب التخریج کا ہے، جیسے ابوبکر رازی وغیرہ کہ یہ حضرات ایسے قول مجمل کی تفصیل پر جس میں دو احتمال ہوں قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے جیسے قدوری اور صاحب ہدایہ اور ان جیسے لوگ۔ ان حضرات کا کام یہ ہے کہ یہ بعض روایات کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کہ یہ اولیٰ ہے یا یہ زیادہ صحیح ہے یا یہ لوگوں کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔

(۶) چھٹا طبقہ ان مقلدین کا ہے جو قوی اور ضعیف کے درمیان تمیز کرسکیں اور ظاہر مذہب اور ظاہر الروایۃ، روایت نادرہ میں تمیز کرسکیں۔ صاحب کنز، صاحب الوقایۃ اور صاحب المختار وغیرہم۔

(۷) ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جو ان مذکورہ بالا امور میں سے کسی پر قادر نہ ہوں اور نہ اولیٰ وغیر اولیٰ، راجح و مرجوح میں فرق نہ کرسکیں۔

مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے اجتہاد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اجتہاد اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں کہ پُوری کوشش کرے حکم شرعی پر ظن حاصل ہونے کیلئے۔ اس کے بعد اجتہاد کے شرائط بیان کئے ہیں جو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی شروط مجتہد کا آلہ ہیں۔ جو ان کے بغیر اجتہاد کا دعوی کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بغیر سیڑھی کے آسمان پر چڑھنے کا دعوی کرے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ آدمی کو ان علوم کی مزاولت اور ادلہ میں تامل کی وجہ سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ جس سے وہ استنباط احکام ادلہ سے کرسکے اور اس ملکہ کے بعد بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد وضع کرے جن پر اپنے استنباطات اور تفریعات کی بنیاد رکھے۔ جیسے امام شافعیؒ اور بقیہ ائمہ کے قواعد ہیں۔ اور یہی قواعد ہیں جنہوں نے لوگوں کو حقیقتِ اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنے سے عاجز کررکھا ہے۔ اس لئے کہ اجتہاد کیلئے تنہا مذکورہ بالا علوم کا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ ملکہ مذکورہ کا پیدا ہونا اور قواعد کا وضع کرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا جو ان علوم میں سے کسی سے ناواقف ہو یا ان سب کو حاصل کرتو لیا مگر یہ ملکہ پیدا نہ ہوا یا اگر ملکہ بھی پیدا ہوگیا مگر اس نے قواعد وضع نہیں کئے اور اجتہاد کا دعوٰی کیا تو اُس نے غلطی کی۔ علامہ سیوطی نے مع اپنی جلالۃ قدر کے اجتہاد کا دعوٰی کیا تو منادی فرماتے ہیں کہ ان کے اس دعوٰے کے خلاف علماءِ عصر میں قیامت برپا ہوگئی اور مناظرہ کیلئے چیلنج کیا تو اس سے اُنہوں نے انکار کردیا۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ جب علامہ سیوطیؒ نے اجتہاد کا دعوٰی کیا تو سب نے

ان پر فوراً حملہ کیا اور اُن کو ایسے مسائل کی ایک فہرست دی جو ذو وجہین تھے کہ اگر ان کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہے تو وہ اس میں سے جو راجح ہوں اس کے دلائل مجتہدین کے قواعد کی روشنی میں پیش کریں۔ تو اُنھوں نے سوال کا پرچہ بغیر جواب کے واپس کر دیا اور یہ عذر کیا کہ مجھے مشغولی کی وجہ سے فرصت نہیں۔ اس کے بعد ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس منصب کی مشکلات پر غور کرو کہ یہ تو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ کا حال تھا اس سے واضح ہو چکا کہ جو شخص اس ادنی درجہ اجتہاد کا دعویٰ کرے چہ جائیکہ اجتہاد مطلق، تو ایسا شخص اپنے بارے میں حیرت میں ہے اور فساد فکر میں مبتلا ہے اور ایسا شخص اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور جس نے بھی اجتہاد مطلق کے مرتبہ کو سمجھ لیا ہے وہ اس زمانہ میں اجتہاد مطلق کی نسبت کسی کی طرف کرنے سے شرمائیگا بلکہ علامہ ابن الصلاح اور ان کے اتباع فرماتے ہیں کہ اجتہاد مطلق تین سَو سال سے بند ہو چکا ہے (ابن صلاح ساتویں صدی ہجری کے ہیں یعنی چوتھی صدی کے بعد سے بند ہے) بلکہ ابن صلاح نے بعض اصولیین سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد سے کوئی مجتہد مستقل نہیں ہوا۔ پھر لکھا ہے کہ جبکہ ائمہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ امام الحرمین امام غزالیؒ اپنی جلالۃ قدر کے باوجود اصحاب وجوہ میں ان کا شمار ہے یا نہیں، اور ائمہ نے رویانی صاحب البحر کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وہ اصحاب وجوہ میں سے نہیں تھے، حالانکہ رویانی فرمایا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی کی روایات ضائع ہو جائیں تو میں اُنھیں یاد سے لکھوا دوں گا۔ تو جب یہ اکابر بھی اجتہاد فی المذہب کے اہل نہ ہو سکے تو ان لوگوں کو جب ان اکابر کی اکثر عبارات بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کیسے جائز ہوگا کہ اس سے بھی اونچے درجہ اجتہاد مطلق کا دعویٰ کریں۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

اور امام رافعی سے منقول ہے کہ علماء کا تقریباً اجماع ہے اس بات پر کہ آج کوئی مجتہد نہیں۔

یہ طویل مضمون ہے جو قابلِ دید ہے۔ مولانا حبیب الرحمان اعظمی زادمجدہم کا ایک مضمون رسالہ "الداعی" دیوبند آخر شعبان ۱۳۹۶ھ میں چھپا ہے جو بہت جامع اور مختصر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ اجتہاد جس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ وہ فلاں فلاں سنہ سے منقطع ہو گیا، اس سے مراد اجتہاد مطلق ہے۔ اس کی تصریح ابن صلاح اور ابن حجر مکی نے کی ہے بلکہ ابن الصلاح نے بعض اصولیین سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد سے کوئی مجتہد مطلق نہیں ہوا۔ اور علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا سوائے امام ابن جریر طبریؒ کے، مگر اس کو قبول نہیں کیا گیا۔ یہ تو رہا تاریخی واقعہ، باقی یہ بات کہ کوئی مجتہد مطلق مستقل ائمہ اربعہ کے بعد ہو سکتا ہے یا نہیں تو علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ہاں امکان ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نہ ہو سکنے پر کوئی دلیل نہیں۔ اور مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے، البتہ اگر یہ کہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعویٰ اجتہاد کو جمہور نے مانا ہو تو یہ مسلّم ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

ائمۂ مجتہدین متبوعین کا چار میں انحصار

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ عقدالجید میں فرماتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے "جان کہ ان مذاہبِ اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان چاروں سے نکلنے میں بڑا مفسدہ بڑی (خرابی) ہے جس کو ہم دلائل سے بیان کرتے ہیں :۔

اول یہ کہ اُمت اِس بات پر متفق ہے کہ شریعت کے جاننے میں سلف پر اعتماد کرے ، اسی وجہ سے تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طریقہ سے ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا۔ اور عقل بھی اس کے اچھے ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ شریعت نقل اور استنباط ہی سے معلوم ہوسکتی ہے ، اور نقل اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے کہ ہر طبقہ اپنے سے پہلے والوں سے اتصال کے ساتھ حاصل کرے اور استنباط میں ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانے تاکہ ان سے نکل کر اجماع کو توڑنے والا نہ بنے اور ان ہی پر اپنے قول کی بناء رکھے اور اس بارے میں ہر طبقہ اپنے سے پہلے والے سے مدد لے ۔کیونکہ صناعتیں جیسے صَرف ، نحو، طب شعر، آہنگری ، نجاری ، رنگریزی وغیرہ کسی کیلئے اس وقت تک آسان نہیں ہوتی جب تک وہ ان کے اہل کے ساتھ نہ رہے ۔ اور اس کے خلاف اگرچہ عقلاً ممکن

ہے مگر نادرالوقوع ہے اور جب سلف کے اقوال پر اعتماد متعین ہوگیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے معتمد اقوال اسنادِ صحیحہ کے ساتھ مروی ہوں اور مشہور کتب کے اندر مدون ہوں اور ان پر علماء کی طرف سے شروح و حواشی لکھے گئے ہوں کہ اس سے محتملات میں سے راجح کو بیان کیا گیا ہو ۔بعض مواقع میں عام کو خاص اور بعض مواقع میں مطلق کو مقید کیا گیا ہو اور اس سے احکام کی علت بیان کی گئی ہو۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو ان پر اعتماد صحیح نہ ہوگا۔ اور اس زمانہ میں کوئی مذہب (اہلِ سُنّت وجماعت کے) مذاہب اربعہ کے علاوہ اس صفت کے ساتھ متصف نہیں ۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرو اور جب تمام مذاہب فقہ مذاہب اربعہ کے علاوہ ختم ہوگئے تو اب مذاہب اربعہ کا اتباع ہی سوادِ اعظم کا اتباع ہوگی اور ان سے نکلنا سوادِ اعظم سے نکلنا ہوگا ۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ زمانۂ دراز گذر جانے اور امانتداری ضائع ہوجانے کی وجہ سے علماء سوء پر اعتماد کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا ۔ یہ لوگ ان حضرات کی طرف غلط باتیں منسوب کرسکتے ہیں جن کا صدق اور امانت داری مشہور ہے اور یہ وسائط چونکہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں اس لئے ان کی روایات قبول نہیں کیجاسکتی ہیں ۔ رہا مسئلہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کا، سو ان کی پابندی اس لئے ضروری ہے کہ ان کے مذاہب مدون ہیں اور ان کی کتابیں قابلِ قبول اور معتبر ہیں۔ اس وجہ سے ان کی طرف غلط باتیں منسوب نہیں ہوسکتی ہیں ۔" (عقدالجید ص۱۴)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ جواہرالفقہ ص۱۳۱ اس سوال کے جواب میں کہ

تقلید صرف ائمۂ اربعہ ہی کی کیوں کی جاتی ہے، کیا کوئی دوسرا امام اس درجہ کا نہیں ہوا جس کی تقلید کی جائے اور کیا ائمۂ اربعہ کی تقلید کا حکم کسی نص میں وارد ہوا! تحریر فرمایا ہے کہ ائمۂ اربعہ پر سلسلۂ تقلید ختم ہونا کوئی امر عقلی یا شرعی نہیں بلکہ محض اتفاقی ہے کہ مشیت خداوندی سے ان چار مذاہب کے سوا اور جتنے مذاہب تھے مندرس ہو گئے اور مٹ کر کأن لم یکن ہو گئے۔ دو چار، دس بیس یا پچاس سو اقوال و احکام اگر آج ان کے منقول اور موجود بھی ہوں تو وہ کوئی مستقل مذہب نہیں بن سکتا کہ لوگ اس کی تقلید کیا کریں۔ کیونکہ اگر ان سو پچاس احکام میں ان کی تقلید کر بھی لو تو باقی ہزاروں مسائل میں کیا کرینگے۔ اب جب کہ دیکھا گیا کہ کل مذاہب سوائے ان چار مذہبوں کے مندرس ہو گئے تو ناچار سلسلہ تقلید ان ہی میں منحصر ہو گیا۔ چنانچہ ابن خلدون اپنے مقدمۂ تاریخ میں ظاہریہ کے مذہب پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمة و انكار الجمهور على منتحليه ولم يبق الا فى الكتب المجلدة.

مفتی صاحب نے صرف عربی عبارت لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"پھر اہلِ ظاہر کا مذہب اس زمانہ میں مٹ گیا ان کے ائمہ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اور جمہور کے ان کے مقلدین پر انکار کرنے کی وجہ سے اور صرف کتابوں ہی میں اس کا وجود رہ گیا۔"

اور اسی میں یہ بھی مصرح ہے:-

ووقف التقليد فى الامصار عند هؤلاء الاربعة و

درس المقلدون بمن سواهم الخ.

یعنی "تمام علاقوں میں ان ہی ائمہ اربعہ کی تقلید برقرار رہی۔ اور دوسرے ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے والے سب ختم ہو گئے اور اسی پر سب متفق ہو گئے۔ اسمیں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اور جب علوم میں مختلف اصطلاحات کی کثرت ہوئی اور مرتبۂ اجتہاد تک پہنچنا (عدم وجود شرائط کی وجہ سے) مشکل ہو گیا اور جب اجتہاد کے غیر مستحق کی طرف منسوب ہونے کا خوف ہوا۔ اور ایسے لوگوں کی طرف جن کے دین اور جن کی رائے پر اعتماد نہ کیا جاسکے تو علماء نے عجز عن الاجتہاد کی تصریح کر دی اور لوگوں کو ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص ایک کی تقلید کا پابند کر دیا اور دو اماموں کی بیک وقت تقلید سے منع کر دیا کہ یہ تلاعب اور تلفیق ہے اور غیر متبوع ائمہ کے مسائل کی صرف کتابوں میں نقل ہی رہ گئی ان کی فقہ کی اپنی کتابیں مستقل طور پر مدوّن نہیں اور ہر مقلد نے اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنا تصحیح اصول اور اتصالِ سند کے بعد شروع کر دیا اور فقہ کا حاصل اس زمانہ میں سوائے اس کے یعنی اپنے امام کی تقلید کے اور کچھ نہیں رہا اور اب اس زمانہ میں اجتہاد کے مدعی کا دعویٰ ناقابلِ تسلیم ہے اور اس کی تقلید مہجور و متروک۔" اور اہل اسلام اس زمانہ میں ائمۂ اربعہ کی تقلید پر متفق ہو گئے۔

اور شیخ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

انعقد الاجماع على عدم العمل بالمذاهب المخالفة للائمة الاربعة.

(ائمہ اربعہ کے علاوہ مذاہب پر عمل نہ کرنے پر اجماع منعقد ہو گیا)

اور علامہ ابن حجر مکیؒ فتح المبین شرح الاربعین میں فرماتے ہیں:-

اما فی زماننا فقال أئمتنا لا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة الشافعی و مالك و ابی حنیفة و احمد بن حنبل۔

(اور ہمارے زمانہ میں تو ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ امام شافعی امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں)

اب کسی کا اس پر یہ دلیل طلب کرنا کہ تقلید چار میں کیوں منحصر ہوگئی محض بے محل ہے اور بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص کی اولاد کثیر ہو لیکن وہ مرتے رہیں۔ یہاں تک کہ جب باپ کا انتقال ہو تو چار بیٹوں کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے۔ اب ظاہر ہے کہ تقسیم میراث ان ہی چاروں میں منحصر ہوگی حالانکہ اولاد ان کے سوا اور بھی تھی۔ لیکن آپ نے کسی کو یہ کہتے نہ سُنا ہوگا کہ میراث ان ہی چار میں کیوں منحصر ہوگئی اور جو کوئی کہے تو اس کا جواب اور کیا ہو سکتا ہے کہ مشیت ایزدی یہی تھی۔

ملا جیون صاحبؒ نے تفسیر احمدی میں لکھا ہے:۔

والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربع فضل الٰهی وقبولیة من عند الله تعالیٰ لا مجال فیها للتوجیهات والادلة۔

(انصاف یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں انحصار محض فضل اور قبولیت من عند اللہ ہے۔ اس میں دلائل اور توجیہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ جواھر الفقہ)

تقلید

جب اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا اور مذاہب ائمہ اربعہ کے مذاہب میں منحصر ہوگئے تو ان کی تقلید ضروری ہوگئی۔ جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ لوگ تقلید کی حقیقت سے واقف نہیں، تقلید نعوذ باللہ خدانخواستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مقابلہ میں کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے بلکہ ائمہ مجتہدین نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ و آثار صحابہؓ سے جو مسائل استنباط کئے اُن کو تسلیم کر لینا ہی تقلید ہے۔ کیونکہ تقلید کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ فروعی مسائل فقہیہ میں غیر مجتہد کا مجتہد کے قول کو تسلیم کر لینا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا اس اعتماد پر کہ اس مجتہد کے پاس دلیل ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضرت جابرؓ سے ایک روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ ایک سفر میں نکلے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کو پتھر آکر لگا جس سے ان کا سر زخمی ہوگیا۔ اور اس کے بعد اُن کو غسل کی ضرورت پیش آگئی انھوں نے اپنے رفقاء (صحابہ کرامؓ) سے پوچھا کیا میرے لئے شرعاً تیمم کی اجازت ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ تیمم کی اجازت نہیں کیونکہ پانی موجود ہے۔ اس پر انھوں نے غسل کر لیا جس سے اُن کی موت واقع ہوگئی۔ واپسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتلوه قتلهم الله۔ یعنی ان ہی لوگوں نے اس کو مارا خدا ان کو بھی موت دے (بیان القرآن) جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو انہوں نے کسی (عالم) سے کیوں نہ پوچھا۔ کیونکہ عاجز کی شفا سوال میں ہے۔

ان حضرات نے فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً کے ظاہر لفظ کے عموم کو دیکھتے ہوئے

اسی پر فتوے دیدیا۔ حالانکہ اجتہاد اور فتوے کے لئے بڑی شرائط تھیں جو پہلے گذریں۔ اسی واسطے شیخ الاسلام وحافظ ابن تیمیہؒ نے فتاوٰی صفحہ ٢٠٣/٢ میں فرمایا ہے کہ جمہور امت کا مذہب یہ ہے کہ اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی جائز ہے۔ اجتہاد اس کیلئے جو اس پر قادر ہو اور تقلید اس کیلئے جو اجتہاد سے عاجز ہو۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے کسی معین امام کے مذہب کا اتباع اُس وقت جائز ہے جبکہ وہ اس مذہب کے علاوہ دوسرے ذریعہ سے شریعت کا امر حاصل نہ کر سکتا ہو۔ لیکن اگر دوسرے ذریعہ سے معرفت شریعت ممکن ہو تو اس متعین مذہب کا اتباع اُس پر واجب نہیں ہے۔ صفحہ ٢٠٩/٢

علامہ ابوالولید باجی مالکی شارح مؤطا اپنی کتاب الحدود فی الاصول صفحہ ٦٤ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تقلید یہ ہے کہ جس کی تقلید کی جائے اُس کے قول کو بلا دلیل مان لے چاہے اُس کو دلیل بھی معلوم ہو جائے۔ یہ اُس شخص کے حق میں فرض ہے جو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ایک مکتوب میں جسکو مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستانؒ نے اپنی کتاب جواہر الفقہ میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:۔

تو لکم تقلید شخصی کو واجب سمجھنا بدعتِ سیئہ ہے۔ اوّل آپ کے نزدیک تقلیدِ شخصی مباح ہے۔ چنانچہ آپ اوپر مقر ہوئے ہو مگر مباح ہونے کے آپ معنی نہیں سمجھے کہ کیا ہے۔ سنو تو سہی تم نے تو منقول اور معقول دونوں کو دھو دیا ہے نفس تقلید اعنی تقلید مطلق تو فرض لقولہ تعالیٰ "فاسئلوا" الآیۃ اور حدیث انما شفاء العی السوال۔ اور خود بدیہی بھی کہ دین بدون سیکھے نہیں آتا۔ عقل اور حس کو اس میں دخل ہی نہیں۔ پس مطلق تقلید تو فرض ہے (یعنی جس میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو) لیکن

ہے کہ آپ بھی قبول کریں گے ورنہ اثبات اس کا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے دو فرد ہو ویں گے۔ تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی، کیونکہ دونوں حصے ایک جنس کے ہیں، خواہ اس کو جنس اور دو نوع کہو یا مطلق اور دو فرد مقید کہو، خواہ کلی اور دو جزئی کہو، جس طرح چاہو مقرر کرو۔

بہر حال ہر دو نوع تقلید تحت تقلید مطلق کے ہوویں گی جو فرض ہے۔ بھلا آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرض کے نوع یا فرد مباح کس طرح ہوئے۔ مردِ خدا! فرض اور مباح تو مبائن دو نوع ہیں کہ تحت جنس حکم کے ہیں، پھر ایک نوع مبائن دوسری نوع کی فرد کس طرح ہو گئی ذرا تو سوچو تقلید مطلق تو فرض اور شخصی مباح اور حالانکہ یہ فرد ہے تقلید فرض کی، پس تمام آپ کا خدشہ اس ہی خطاء فہم پر مبنی ہے۔ پس ہوش کرو کہ تقلید ہر دو قسم فرض ہے کوئی مباح نہیں۔ مگر چونکہ امتثال امر تقلید میں تخییر ہے کہ جس فرد کو چاہو ادا کر دو دوسرے کی ضرورت نہیں، اور جو دونوں نہ کرو گے تو عاصی ہو گے۔ اس تخییر کو مباح کہدیا ہے مجازاً نہ یہ کہ خود شخصی بذاتہ مباح ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کفّارہ میں حلف کے مثلاً نفس کفّارہ فرض ہے اور اطعام اور کسوہ اور رقبہ میں تخییر، جس کو ادا کر دیا مطلق کفارہ سے برأت ہو گئی اور جو کسی کو نہ کیا عاصی رہا........ یہی حال جملہ کلیات کا ہے کہ مطلق شرعی فرض ہوتا ہے اور مباح کہنا اس کا باعتبار اباحت اختیار کسی فرد کے ہے۔ نہ مباح مقابل فرض کہ آپ نے شبہ فرض ہو جانے مباح کا بے موقع کیا۔ ورنہ اگر یہی شبہ ہے تو شخصی والے اس ہی آپ کی تقریر سے غیر شخصی کو بدعتِ سیئہ کہدیوینگے۔ کیونکہ غیر شخصی کس طرح فرض ہوتی ہے وہ بھی تو مباح بہ ہمیں معنی ہے جو مذکور ہوا۔ طویل خط ہے اور قابل دید۔

اور حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ کے مکتوب سے نقل کیا ہے۔ تقلید کی بات

سُنئے۔ لاریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق، مگر جیسے فنِ طبابت یونانی یا ڈاکٹری، انگریزی ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر قابلِ معالجہ ہے۔ اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطبا دیا مخالف رائے ڈاکٹران جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے ہر بات میں اسی کا کہنا کیا جاتا ہے، دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سُنی جاتی۔ ایسے ہی وقتِ اختلافِ ائمہ جس مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اُسی کی تابعداری ضروری ہے۔ ہاں جیسے کبھی ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا اتباع مثل اوّل کیا جاتا ہے، ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لیا تھا، اور بعد تبدیل مذہب دوسرے ہی کا اتباع کیا۔ یہ نہیں کیا کہ ایک بات اِن کی لی اور ایک بات اُن کی لی اور تدبیر سے ایک لا مذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا۔ امام طحاوی جو بڑے محدّث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے۔ بالجملہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کروڑوں عالم اور محدّث گذر گئے پر مقلّد ہی رہے۔ امام ترمذیؒ کو دیکھئے کتنے بڑے عالم، فقیہ اور محدّث تھے۔ ترمذی شریف ان ہی کی تصنیف ہے، باوجود اس کمال کے مقلّد ہی تھے اعتبار نہ ہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے۔ جب ایسے ایسے عالم اس کمال پر مقلّد ہی رہے۔ امام شافعیؒ کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاویؒ اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کونسا عالم ہوگا جس کے ذمہ تقلید ضروری نہ ہو۔ اگر کسی بڑے عالم نے اماموں کی تقلید نہ کی بھی تو کیا ہوا۔ اوّل تو کروڑوں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون سُنتا ہے ... ماقل

سے پوچھو گے یہی کہیگا کہ جس طرف ایک جہان کا جہان ہو وہی بات ٹھیک ہوگی۔ بایں ہمہ یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی چال ہم اختیار کریں۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دوسرے طبیب سے نہیں پوچھتا یہ دیکھکر یہ بھی یہی انداز اختیار کرے کہ اپنا علاج آپ کرنے لگے اور طبیبوں سے کام نہ رکھے تو تم ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائینگے یا بے وقوف۔ سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلّد دیکھ کر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کہو علم تو تھا یا نہ تھا عقل دین بھی دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجیے آجکل کے عالم بالیقین جانئے کُل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں۔ بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے زیادہ جاہل ہیں۔ دو کتابیں اردو کی بغل میں دبا کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے۔ کم سے کم علم اتنا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالبِ علم کو پڑھا سکے۔" (جواھر الفقہ ص۱۳۵)

مکاتیب شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ میں مولوی ابو اللیث سابق امیر جماعت اسلامی ہند کے خطوط کے جواب میں ایک بہت طویل خط لکھا ہے اس میں جلد دوم ص۴۱۹ پر تحریر فرمایا ہے :-

"مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی جو کہ غیر مقلدوں کے نہایت جوشیلے امام تھے اور عدم تقلید کے زوردار حامی اور ہندوستان میں اس کے پھیلانے والے تھے اپنے رسالہ اشاعت السنہ جلد دوم ص۲۰، ص۵۱، ص۵۲، ص۵۳ میں لکھتے ہیں :

پچیس ۲۵ برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے عِلمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں

وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے
ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے۔
اور احکامِ شریعت سے فسق و خروج تو آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے ان فاسقوں
میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت، نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں سود
و شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق
ظاہری سے بچتے ہیں۔ وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ناجائز طور پر
عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے
مال، خدا کے مال و حقوق کو دبا رکھتے ہیں۔ کفر و ارتداد و فسق کے
اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں۔ مگر دینداروں کے بے دین
ہو جانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے
انتہیٰ مختصراً

حضرت شیخ الاسلامؒ نے جو مولوی محمد حسین صاحب کا واقعہ لکھا یہ تو ان کے
بڑے تجربات کے بعد کا ہے۔ سوانح قاسمی ص۲۲ پر ان ہی کا ایک اور واقعہ لکھا ہے
کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت نانوتوی کو ایک خط لکھا کہ مجھے تنہائی
میں آپ سے بعض مسائل میں گفتگو کرنی ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی شاگرد
بھی وہاں موجود نہ ہو۔ حضرت نے منظور فرما کر جواب تحریر فرمایا کہ تشریف لے آئیں
چنانچہ مولانا موصوف حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے...... حجرہ بند
کر دیا گیا دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ حضرت والا نے مولانا سے فرمایا کہ دیکھئے جس
مسئلہ میں بھی گفتگو فرمانی ہو اُس میں دو باتوں کا خیال رکھیئے۔ ایک یہ کہ مسئلہ
زیر بحث میں حنفیہ کا مذہب بیان فرمانا آپ کا کام ہوگا اور دلائل بیان کرنا میرا

کام ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہؒ کا ہوں۔ اس لئے میرے مقابلہ
میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہیئے۔ یہ بات مجھ پر
حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحبِ درمختار نے یہ فرمایا ہے۔ میں ان
کا مقلد نہیں چنانچہ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ بہت سے
مختلف فیہ مسائل زیر گفتگو آئے اور حسب شرائط طے شدہ مولانا محمد حسین صاحب
مذہب احناف بیان فرماتے اور حضرتِ والا دلائل سے اسے ثابت کرتے،
حضرت کی تقریروں کے درمیان مولانا محمد حسین صاحب جھوم جھوم جاتے اور
بعض اوقات تو جوش میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے کہتے کھڑے ہونے کے قریب
ہو جاتے۔ جب گفتگو ختم ہو چکی تو مولوی محمد حسین صاحب کی زبان سے بیساختہ
یہ فقرہ نکلا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور مقلد ہو! یعنی با ایں زور علم و
فراست و قوت استنباط تقلید کے کیا معنی۔ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا
"اور مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور غیر مقلد ہو" فقط مختصراً۔

میں نے یہ قصہ بعض اکابر سے بھی سنا۔ اس میں یہ سنا تھا کہ حضرت
نانوتویؒ نے اخیر میں یہ فرمایا تھا کہ تقلید کے ضروری ہونے کیلئے آپ کے قول
کے موافق جو میرے متعلق آپ نے فرمایا یہی کافی ہے کہ میں مقلد ہوں

میرے ایک رفیق درس جو مظاہر علوم سے فارغ ہو کر مظاہر علوم کے کتبخانہ
میں ملازم بھی ہو گئے تھے، مگر قلت تنخواہ کی وجہ سے کہ اس زمانہ میں مظاہر میں تنخواہیں
بہت کم تھیں ترک ملازمت کر کے علی گڈھ میں جا کر ایک ڈاکٹر صاحب کے یہاں ملازم
ہو گئے جو اہل حدیث تھے جانے کے تیسرے چوتھے دن اُن کا میرے پاس خط آیا جس
میں اپنی راحت و آرام کی بہت تفصیل لکھی تھی کہ تنخواہ بھی بہت معقول ہے۔ ڈاکٹر صاحب

کھانا بھی اپنے ساتھ ہی کھلاتے ہیں اور بہت زیادہ محبت کرتے ہیں. مگر میں یہاں آکر ایک سخت مشکل میں پھنس گیا وہ یہ کہ وہ رفع یدین بعد الرکوع کے بعد اسی حال میں کانوں تک ہاتھ اُٹھاتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں، انھیں تو اس کی عادت ہے، اور میں جب اس طرح سجدہ کرتا ہوں تو گر پڑتا ہوں اور جب میں ان سے کہتا ہوں کہ مولانا نذیر حسین صاحب، مولانا ثناء اللہ صاحب کے فتاویٰ میں رفع یدین کے بعد ہاتھوں کا گرانا لکھا ہے تو وہ بہت زور سے کہتے ہیں کہ ہم مولوی نذیر حسین اور مولوی ثناء اللہ کے مقلد تھوڑے ہی ہیں، اگر تقلید کرتے تو ابو حنیفہ کی کیوں نہ کرتے جو ان لوگوں سے علم میں عمل میں اور تقویٰ میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں. ہمیں تو کوئی حدیث دکھلاؤ، جتنا جلد ہو رکوع کے بعد کے رفع یدین کے بعد ہاتھ گرانے کی کوئی حدیث لکھو، میں بہت پریشانی میں ہوں.

اس زمانہ میں حدیث کا سبق میرے یہاں مستقل ہوتا تھا۔ اس وقت تو نہ وہ خط میرے سامنے ہے اور نہ پورا مضمون یاد ہے۔ اتنا یاد ہے کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتیں متعدد میں نے نقل کی تھیں، جس میں قومہ کے درمیان بخاری میں فاذا رفع رأسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه ہے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں.

تقلیدِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ہندو پاک میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب زیادہ رائج ہے جس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے اوّل فاتحین حنفی المذہب تھے ان کی وجہ سے یہاں اسلام کے ساتھ ساتھ مذہبِ حنفیہ بھی پہنچا۔

اس کے علاوہ حنفی مذہب کی وجوہ ترجیح اور بھی بہت سی پیدا ہو گئیں جن کو یہ ناکارہ اپنی کتاب اوجز المسالک کے مقدمہ میں بہت تفصیل سے لکھ چکا ہے. منجملہ ان کے حضرت امام اعظمؒ کا زمانہ بقیہ ائمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے سب سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ میرے سابقہ مضمون میں جہاں ائمۂ اربعہ اور محدثین کے زمانے لکھے گئے ہیں تفصیل سے گذر چکا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ہی کی صدی میں ہوئی. بخاری شریف میں ثلاثیاتِ بخاری کو بہت اہمیت ہے مستقل کتابیں ثلاثیات کے بارے میں لکھی گئی ہیں. ثلاثی وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں محدث اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین راوی ہوں۔ ایک مصنف کا استاد، دوسرا تابعی تیسرا صحابی۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ حنفیہ کے قول کے موافق تو تابعی روایۃً بھی ہیں اور اس کے بعد ایک درجہ صحابہ کا رہ جاتا ہے والصحابة كلهم عدول ۔ اور جو لوگ امام ابو حنیفہؒ کو تبع تابعی قرار دیتے ہیں اُن کے نزدیک فقہ حنفی ثنائی ہے۔ ایک صحابی وهم كلهم عدول دوسرا تابعی کہ امام ابو حنیفہؒ کے استاد تابعی ہیں اور ہر شخص اپنے استاد کے حال سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ واقف

ہے۔ اس لئے حنفیہ کی روایات پر ضعف کا الزام لگانا فن سے ناواقفیت ہے۔
جن روایات میں تیسرے چوتھے درجہ میں کوئی راوی ضعیف آگیا ہو اُس کا الزام حنفیہ کی روایات پر نہیں لگ سکتا۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ صفحہ ۲۳۹/۲ میں فرمایا ہے کہ جو ائمہ ان کتب احادیث مدونہ سے پہلے تھے وہ سُنّت کو متأخرین سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لئے کہ بہت سی احادیث جو اُن کو پہنچیں اور اُن کے نزدیک صحیح تھیں وہ ہم تک بسا اوقات کسی مجہول کے واسطے سے یا سند منقطع سے پہنچی ہیں یا ہم تک پہنچی ہی نہیں، تو اس زمانہ میں انکے سینے ہی اُن کے علوم کے خزانے تھے جن میں کتب مدونہ سے بھی زیادہ احادیث تھیں۔

نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے بائیس ۲۲ احادیث ثلاثیات لکھی ہیں، ان میں سے بیس ۲۰ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں سے ہیں۔ گیارہ ۱۱ حدیثیں مکی بن ابراہیم سے ہیں وہ امام ابوحنیفہؒ کے براہِ راست شاگرد ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ ایک حدیث حدثنا ابوحنیفہ سے شروع کی، مجمع میں سے کسی نے کہدیا کہ ہمیں ابوحنیفہ کی حدیث مت سُنائیے ابن جریج کی حدیث سُنائیے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ میں بیوقوفوں کو حدیث نہیں سُناتا اور تجھے حرام ہے کہ میری روایت سے کوئی حدیث لکھے۔ اس کے بعد سبق بند کر دیا جب تک کہ وہ شخص درس سے نہیں نکالدیا گیا۔ اور چھ ۶ حدیثیں ابو عاصم النبیل ضحاک ابن مخلد سے ہیں، یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور تین ۳ حدیثیں محمد بن عبداللہ انصاری سے ہیں، یہ امام زفرؒ کے شاگرد ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے بھی شاگرد ہیں۔ رہ گئے دو ۲ راوی، اُن کا مجھے پتہ نہیں چلا

کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں یا نہیں۔
مقدمہ اوجز میں امام شعرانی سے نقل کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جن روایات سے اپنے مذہب کیلئے استدلال کیا ہے وہ تابعین میں سے افضل تابعین سے لی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو متہم بالکذب تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کے دلائل میں سے بعض چیزیں ضعیف بتائی جاتی ہیں تو یہ ضعف ان کے بعد کے راویوں میں پیدا ہوا۔ لہٰذا یہ ضعف ان روایات پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جن سے امام نے استدلال کیا ہے۔

اوجز میں بہت تفصیلی کلام امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ کے بارے میں کیا گیا ہے۔ اس میں نویں فائدہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی بناء امور ذیل پر ہے۔ اس میں ابن حجر شافعی سے نقل کیا گیا ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ علماء کے اس قول کا جو امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب کے بارے میں ہے کہ وہ اصحاب الرائے ہیں کا مطلب یہ نہ سمجھنا کہ وہ اپنی رائے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر یا صحابہؓ کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ کیونکہ امام ابوحنیفہؒ سے مختلف طرق سے یہ ثابت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اوّلاً قرآن کو لیتے ہیں، اگر قرآن میں نہ ملے تو سنّت سے، اگر سنّت میں بھی نہ ملے تو صحابہؓ کے قول سے۔ اگر صحابہؓ میں اختلاف ہو تو ان میں سے اُس قول کو اختیار کرتے ہیں جو اقرب الی القرآن والسنّت ہو۔ اور صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہیں جاتے اور اگر صحابہؓ میں سے کسی کا کوئی قول نہ ملے تو تابعین کے اقوال کو نہیں لیتے بلکہ خود اجتہاد فرماتے ہیں جیسا کہ ان لوگوں نے اجتہاد کیا۔
امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی حدیث پہنچے تو سر آنکھوں پر۔ اور اگر صحابہؓ کے اقوال ملیں گے تو اُن میں سے چُن لیں گے اور اُن کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور اگر تابعین کے اقوال ہوں تو مقابلہ کریں گے۔ اور امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رائے سے فتوٰی دیا، حالانکہ میں تو اثر ہی سے فتوٰی دیتا ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ کتابُ اللہ کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ احادیث کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ صحابہؓ کے کسی مسئلہ پر اجماع کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے۔ البتہ جس میں صحابہؓ کا اختلاف ہو گیا اُس میں سے ہم اقرب الی الکتاب والسنۃ کو لیں گے۔

ایک شخص نے امام صاحب سے کہا کہ قیاس کو چھوڑو۔ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا۔ تو امام صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ او فلانے تو نے بے موقع استدلال کیا۔ ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا جسکی وجہ سے وہ کافر ہو گیا اور ہمارا قیاس تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے اتباع میں ہے اس واسطے کہ ہم اپنے قیاس کو اللہ کے کلام اور اُس کے رسولؐ کی سُنّت اور صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال کی طرف لوٹاتے ہیں۔ تو ہم تو اتباع ہی کے گرد پھرتے ہیں پھر ابلیس ملعون کے کیسے مساوی ہو گئے؟ اس پر اُس شخص نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی میں توبہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو منور کرے جیسا کہ آپ نے میرے قلب کو منور کر دیا۔

ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ حنفیہ پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کی مخالفت کرتے ہیں بغیر دلیل کے، تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ معترضین نے ان کے قواعد اور اصول کا گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ اس پر مفصل کلام کیا ہے جو اوجز کے مقدمہ میں ہے۔ انھوں نے یہ کہا کہ منجملہ ان کے اصولوں کے یہ ہے

کہ خبرِ واحد اگر اصول مجمع علیہا کی مخالف ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو یہ اس کے نسخ کی دلیل ہے۔ اور اسی طرح عموم بلوی میں راوی کا منفرد ہونا۔ یا خبرِ واحد حدود و کفارات میں وارد ہو کہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ کہ سلف نے اس روایت پر طعن کیا ہو۔ اسی طرح صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو مگر اس خبرِ واحد سے کسی نے استدلال نہ کیا ہو یہ بھی نسخ کی دلیل ہے۔ اسی طرح خبرِ واحد عموم قرآن کے ظاہر کے خلاف ہو۔ کیونکہ قرآن قطعی ہے اور خبرِ واحد ظنّی۔ اور اقوی الدلیلین کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح خبرِ واحد کا سنّتِ مشہورہ کے خلاف ہونا۔

ان قواعد سے امام ابو حنیفہؒ کی براءت ظاہر ہو گئی جو ان کی طرف ان کے اعداء اور ان لوگوں نے جو ان کے قواعد سے بلکہ مواقع اجتہاد ہی سے سرے سے ناواقف ہیں منسوب کر دیئے ہیں کہ امام صاحب نے خبر احاد کو بغیر دلیل کے چھوڑا ہے اور یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ امام صاحب نے کسی حدیث کو اُس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس سے اقوی دلیل ان کے پاس نہ ہو۔ علامہ ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ تمام حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے یہاں رائے سے مقدم ہے۔

علامہ شعرانیؒ نے نقل کیا ہے کہ شقیق بلخیؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب لوگوں سے زیادہ متقی تھے اور سب سے زیادہ عالم تھے اور سب سے زیادہ عبادت گذار تھے اور سب سے زیادہ دین کے معاملہ میں محتاط تھے اور سب سے زیادہ اس بات سے دور تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی رائے سے کچھ کہیں اور کوئی مسئلہ اُس وقت تک نقل نہیں کراتے تھے جب تک اپنے اصحاب کو اکٹھے کر کے ایک مجلس نہ قائم کرتے اور جب اصحاب اس پر متفق ہو جاتے کہ یہ

مسئلہ اصول وقواعد کے مطابق ہے تو امام ابو یوسفؒ وغیرہ سے فرماتے کہ اس کو فلاں باب میں لکھ لو۔ اوجز میں یہ مضمون مفصل گذرا ہے کہ امام صاحب کے پاس کوئی مسئلہ آتا تو اھل مجلس سے پوچھتے کہ اس مسئلہ کے بارے میں تمہارے پاس کیا روایتیں ہیں ؟ تو جب وہ سب اپنی روایات بیان کرتے اور امام صاحب اپنی روایت ذکر کرتے تو جس طرف روایات کثرت سے ہوتیں اس کو اختیار فرماتے۔

مقدمہ اوجز میں امام ابو حنیفہؒ پر اعتراضات کے متعلق طویل کلام کیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ اصول کہ خبرِ واحد ظاہر قرآن کے خلاف نہ ہو، سنتِ مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔ یہ دراصل حضرت عمرؓ کا قول فاطمہ بنت قیسؓ کے طلاق کے قصہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیسؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ انکو اُن کے شوہر نے طلاق دیدی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے نہ نفقہ واجب کیا نہ سکنی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم کتابُ اللہ اور سُنتِ رسُولُ اللہ کو ایک عورت کے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں کہ اس کو یاد ہے یا بھُول گئی، بعض روایات میں ہے کہ شاید اُس کو وہم ہو گیا ہو۔ (بذل صـ۳۲۲/۳)

اذا صح الحدیث فہو مذہبی

یہ ائمۂ اربعہ کا مشہور مقولہ ہے جو مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن حافظ نے فتح الباری میں باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین میں اس پر طویل بحث کرتے ہوئے ابن دقیق العید کا قول نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے اصول کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس میں عـہ رفع یدین مستحب ہو…… باقی یہ بات کہ امام شافعیؒ کا مذہب

عـہ یعنی قعدۂ اولیٰ سے اُٹھنے کے وقت ۱۲۔

ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، تو اس میں اشکال ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وجہ اشکال یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے اس مقولہ پر عمل اس وقت ہوگا جب یہ محقق ہو جائے کہ امام شافعیؒ تک یہ حدیث نہیں پہنچی لیکن جب یہ معلوم ہو جائے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی اور انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا یا اس میں کوئی تاویل کی تو اس وقت اس پر عمل نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ کا کلام صحیح ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اُٹھتے تھے تو رفع یدین کرتے تھے۔ اور مدونہ میں امام مالکؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ضعیف ہے۔ نیز امام مالکؒ کا مقولہ ہے کہ میں رفع یدین تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ اُٹھنے بیٹھنے میں نہیں پاتا، اوجز میں یہ طویل بحث کی گئی ہے۔

بذل صـ۱۳۶/۵ میں "باب السارق یسرق مرارًا" میں متعدد روایات چور کو قتل کرنے کے بارے میں نقل کی گئی ہیں۔ اس کے بعد شیخ ابن قیم سے نقل کیا گیا ہے کہ امام احمدؒ سے پُوچھا گیا کہ آپ نے اس حدیث کو کیوں چھوڑا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی حدیث کی بناء پر کہ مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجوہ سے جائز ہے اس میں چوری نہیں ہے۔ بذل میں اس پر طویل کلام ہے۔ مجھے تو صرف یہ ذکر کرنا ہے کہ قتلِ سارق کی روایات امام احمدؒ کے پاس پہنچیں مگر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ پانی کے مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب قلتین کا ہے مگر بئر بضاعہ کی حدیث کو امام احمدؒ نے صحیح بتایا ہے۔ جیسا کہ مغنی صـ۲۵/۱ میں ہے لہٰذا حافظ کا یہ کہنا صحیح ہو گیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے رسالہ رفع الملام میں کسی امام کے کسی حدیث کو چھوڑ دینے کی دس۱۰ وجوہ لکھی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ کہ امام کو حدیث پہنچی مگر ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی، یا یہ کہ انہوں نے خبر واحد کیلئے کچھ شروط مقرر کیں جو اس حدیث میں نہیں پائی گئیں۔ نیز یہ کہ حدیث تو پہنچی مگر اس کے نزدیک دوسری حدیث اس کے معارض تھی جس وجہ سے اس حدیث کی تاویل وغیرہ کرنی لازم ہوئی۔ دس۱۰ وجوہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ وجوہ تو ظاہر ہیں، اور بہت سی احادیث میں ممکن ہے کہ عالم کے نزدیک کوئی اور ایسی وجہ ہو جس کا ہمیں پتہ نہ چلا ہو اس لئے کہ علم کی گہرائیاں بہت کشادہ ہیں اور ہم نہیں واقف ہوسکتے بہت سے ان رموز پر جو علماء کے سینہ میں پوشیدہ ہیں، اور عالم کبھی اپنی دلیل کو ظاہر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔ اور جب ظاہر کرتا ہے تو کبھی ہم تک وہ پہنچتی ہے اور کبھی نہیں پہنچتی۔ اور اگر پہنچتی بھی ہے تو اس کے وجہ استدلال کو کبھی ہم ادراک کرپاتے ہیں اور کبھی نہیں کرپاتے وہ دلیل فی نفسہٖ خواہ صواب ہو خواہ خطا۔ اور یہ ہر اُس شخص پر ظاہر ہے جو حدیث میں ممارست رکھتا ہو کہ ائمۂ اربعہ کے پاس بہت سی ایسی صحیح وصریح حدیثیں پہنچیں لیکن بعض دلائلِ قویّہ کی وجہ سے انہوں نے ان کو نہیں لیا۔ خود رفع یدین ہی میں بہت سی صحیح روایتیں ہیں۔ لیکن ائمۂ اربعہ میں سے کسی نے ان کو نہیں لیا ہے نہ اکثر اہلِ حدیث نے۔ جس کی تفصیلی بحث اوجز میں ہے۔

تنبیہ: ایک نہایت ضروری امر قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ کسی مقلد کو اپنے امام کے خلاف دوسرے محدثین کے اقوال پر یا محدثین پر لب کشائی نہیں بلکہ دل میں بھی کوئی بے ادبی کا خیال نہیں گذرنا چاہیئے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے مستقل رسالہ رفع الملام عن الائمۃ الاعلام تصنیف فرمایا ہے، جو بہت اہم

اور قابلِ دید ہے۔ یہ رسالہ مستقلاً بھی شائع ہوچکا اور فتاویٰ ابن تیمیہؒ کا جزء بھی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی موالات کے بعد مؤمنین کی موالات کریں جیسا کہ قرآنی حکم ہے۔ خصوصاً علماء کی..... جو انبیاءؑ کے وارث ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ ستاروں کے بنایا ہے جن سے بر و بحر کی اندھیریوں میں راستہ معلوم کیا جاتا ہے اور مسلمانوں نے ان کی ہدایت اور ان کی سمجھداری پر اجماع کیا ہے۔

مسلمانوں کے علماء ان میں سب سے افضل ہیں اس لئے کہ وہ خلفاء رسولؐ ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان سے زندہ ہے اور وہ اس سے زندہ ہیں۔ اور یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ ائمۂ مقبولین عنداللہ میں سے کوئی ایسا نہیں جو دیدہ ودانستہ احادیث کی مخالفت کرتا ہو۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع واجب ہے اور ہر آدمی کے قول میں سے لیا جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اور اگر ائمہ میں سے کسی کا کوئی قول حدیثِ صحیح کے خلاف ہو تو ضرور کوئی عذر اسکے پاس اس حدیث کو چھوڑنے میں ہوگا۔

اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے تفصیل سے اس ترک حدیث کے دس۱۰ اسباب لکھے ہیں، اور اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ تو اعذار ظاہرہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں جو ہم تک نہیں پہنچی ہیں۔ اس رسالہ میں خاص طور سے ائمۂ متبوعین پر طعن کرنے والوں پر رد کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں اگر خطا کرے تو بھی اُس کو ایک اجر ملتا ہے اور خطا معاف ہے، اور اگر

اس کا اجتہاد صواب ہو تو دوہرا اجر ہے۔ لیکن اگر اہل علم میں سے نہ ہو اور پھر بھی اجتہاد کرے تو اُس کو گناہ ہوگا، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کے بارے میں جس کا سر زخمی ہوگیا تھا اور بعض لوگوں نے تیمم کے بجائے غسل کا مشورہ دیا اور غسل کرنے کی وجہ سے اُن کا انتقال ہوگیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان ہی لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو بھی موت دے۔

نیز فتاویٰ ابن تیمیہؒ میں ایک مستقل مضمون اس سوال کے جواب میں کہ "شیخ عبدالقادر جیلانیؒ افضل الاولیاء ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ افضل الائمہ ہیں" بھی قابل مطالعہ ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جن کے نزدیک امام شافعیؒ کی تقلید راجح ہے وہ اس پر نکیر نہیں کر سکتا جس کے نزدیک امام مالکؒ کی تقلید راجح ہے۔ اسی طرح جس کے نزدیک امام احمدؒ کی تقلید راجح ہے اُس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس پر نکیر کرے جو امام شافعیؒ کا مقلد ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ جب کوئی شخص تقلید کرے تو اس کا اہتمام کرے کہ جس امام کا قول اس کے نزدیک اولیٰ بالحق ہو اس کی تقلید کرے اور اگر خود مجتہد ہے تو اجتہاد کرے اور جو اس کے اجتہاد میں حق ہو اس کا اتباع کرے لیکن یہ ضروری ہے کہ خواہشات نفس کا اتباع نہ کرے اور بغیر علم کے کلام نہ کرے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ یا دوسرے ائمہ عمداً حدیث صحیح کی مخالفت قیاس سے کرتے ہیں اس نے ان ائمہ پر زیادتی کی اور یہ اس کا محض گمان ہے یا ہوائے نفس ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ہی کو لے لیجئے کہ انہوں نے بہت سی احادیث کی وجہ سے قیاس کی

مخالفت کی، اور اس کے بعد چند مثالیں لکھی ہیں۔ جن کی وجہ سے انہوں نے ان احادیث کی وجہ سے جو ان کے نزدیک صحیح تھیں قیاس کو چھوڑ دیا۔

تذکرۃ الرشید میں حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی تدریس حدیث کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حنفی مذہب سے خاص محبت ہے اور اس کی حقانیت پر اطمینان ہے اس کے ساتھ ہی ترجیح مذہب کے وقت یہ ممکن نہ تھا کہ دوسرے مذہب کی توہین یا صاحبِ مذہب کی اہانت ہو، اور اگر کسی طالب علم کا میلان اس جانب دیکھتے تو قولاً وعملاً اس کی اصلاح فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ نفسِ تقلید میں بھی تعصب کا حد سے بڑھنا آپ کو پسند نہ تھا۔ بعض طلبا تشدد عصبیت میں محدثین سے بدظن ہو جاتے تو حضرت امام ربانیؒ فوراً تقریر کا رُخ پھیرتے اور کلام کا ڈھنگ بدل دیا کرتے تھے جس وقت کسی طالبِ علم کی زبان سے کسی محدث پر اعتراض یا تنقیص شان کا کلمہ سُنتے تو چہرے پر کراہیت کا اثر پیدا ہوتا اور دورانِ سبق میں بجائے ترجیح مذہب حنفیہ مذاہب دیگر مثل امام بخاریؒ وغیرہ کی وجوہ ترجیح بھی بیان فرمانے لگتے تھے تاکہ طلباء کو محدثین کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو جائے (تذکرۃ الرشید ص ۹۱/۱)

آپ بیتی ص ۲۷۳/۹ میں حضرت حکیم الامت کے اضافات یومیہ ۹/۲ ص ۴۳۹ سے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت گنگوہیؒ کی ایک تقریر سُن کر جوش میں آکر کہا کہ آپ کے پاس آکر تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرما دیتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ بھی اِس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا کہا، اگر حضرت امام شافعیؒ زندہ ہوتے تو کیا میں اُن کے

ے اس کتاب کو بڑے اہتمام سے مکتبہ اشاعت العلوم سہارنپور نے عکسی طبع کرایا ہے۔ ناشر

سامنے بولتا، اور بولتا تو کیا میں تو اُن کی تقلید کرتا اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کو چھوڑ دیتا کیونکہ مجتہد حی کے ہوتے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حی کی تقلید کی جائے۔ فقط

اس ناکارہ کو اس جواب میں اتنا لفظ اور بھی اکابر سے سُنا ہوا یاد ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہوتے ہوئے میری یہ تقریر ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا اور حضرت امامؒ اس کا جواب دیتے۔

اس ناکارہ کے زمانۂ تدریس مظاہر علوم میں عموماً بدھ کے دن اسباق کی بسم اللہ ہوا کرتی تھی اور یہ ناکارہ بدھ کو بسم اللہ شروع کر کے اگلے بدھ تک مقدمۃ العلم، مقدمۃ الکتاب اور متفرقات کے بعد آخری بحث آداب طالب بیان کیا کرتا تھا جس میں دس ۱۰ باتیں بہت اہمیت سے بیان کرتا۔ اس وقت میں جوانی تھی اور الشباب شعبة من الجنون قوت بھی تھی، ہمت بھی تھی، شروع سال میں یہ دس ۱۰ چیزیں طلباء کے سامنے بہت اہمیت سے بیان کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی پر بجائے زبان کے چپکے سے اُٹھ کر ایک تھپّڑ مار کر آیا کرتا تھا۔ جو طلباء شروع سے سبق میں ہوتے اُنھیں تو معلوم تھا کہ یہ کاہے پر ہوا، لیکن جو مہمان باہر سے آتے، یا دوسرے مدارس کے طلباء جو اکثر سبق میں آتے رہتے تھے یہ منظر دیکھ کر کہ ایک تھپّڑ ایک طالب علم کو مارا اور اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا، نہ کچھ کہنا نہ سُننا، حیرت میں پڑ جاتے اور بعد میں طلباء سے پُوچھتے کہ یہ کیا ہوا وہ کہتے سبق میں سو گیا ہوگا یا کتاب پر کُہنی رکھدی ہوگی۔ ان میں سے۔

(۱) اخلاص نیت (۲) درس کی پابندی۔ میرے اس زمانہ کے رجسٹر میں کئی کئی سال تک کسی طالب علم کے نام کے سامنے غین نہیں ملے گا۔ (۳) صف بندی رہے یعنی طلباء سبق میں صف بنا کر باادب بیٹھیں۔ (۴) درس میں نہ سونا (۵) کتاب پر ٹیک نہ لگائے۔ (۶) پابندیٔ درس کوئی حدیث استاد کے سامنے نہ چھوٹے۔ میرے

یہاں غیر حاضری کرنا سنگین جرم تھا۔ (۷) میرا یہ بھی معمول تھا کہ حدیث میں کتاب الحدود وغیرہ میں جو فحش اور گالی کے الفاظ آجائیں تو میں اُن کا اردو میں ٹھیٹ الفاظ میں ترجمہ کرتا۔ مگر شرط یہ تھی کہ اس پر کوئی طالب علم ہنسے نہیں۔ اس کو میں اور وضاحت سے کہتا۔ اس لئے کہ میرے ذہن میں ہمیشہ سے یہ ہے کہ جیسا اردو میں ان کا ترجمہ ہے ویسے ہی عربی میں اُن کے الفاظ ہیں پھر میں اپنی ناپاک اور گندی زبان کو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے اُونچا سمجھوں کہ ان کو تو اس لفظ کے بولنے سے تردّد نہ ہوا اور میں اُس کو گالی سمجھ کر اردو میں اس کا ترجمہ بھی نہ کروں۔ مثلاً جب حدیث پاک میں انکتھا یا امصص بظر اللات جیسے الفاظ آتے تو میں اپنے سبق میں ان کا صریح الفاظ میں ترجمہ کراتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی طلباء پر پابندی یہ تھی کہ ہنسی نہ آئے۔

(۸) ائمۂ فقہ کے ساتھ نہایت ادب احترام کا معاملہ کیا جائے اور ان پر اعتراض ہرگز نہ کیا جائے اور ان کی شان میں کوئی گستاخی کا لفظ نہ نکالے بلکہ دل میں بھی گستاخی کا خیال پیدا نہ ہو۔ بعض لوگ حنفیت کے زور میں دوسرے ائمہ پر اور بعض بے وقوف ائمۂ حدیث پر تنقیدی فقرے کہتے ہیں یہ مجھے بہت ناگوار ہوتا تھا۔

(۹) اساتذہ کا ادب ظاہری ہی نہیں بلکہ قلبی بھی کرے ورنہ علم سے محرومی کا سبب ہے۔ ایسے ہی کتب حدیث کا بھی ادب کرے۔

(۱۰) ائمۂ حدیث پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔

یہ میں نے مختصراً گنوائے ہیں۔ عزیز شاہد سلمہٗ نے میری تقریر بخاری شائع کی ہے، اس میں کسی قدر تفصیل ان کی ذکر کی ہے اور آپ بیتی ۲ میں بھی اس سے زیادہ تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔ انہیں نمبروں میں ایک نمبر وضع قطع سے متعلق

بھی ہوا کرتا تھا، چنانچہ ڈاڑھی کے مسئلہ پر بھی میں اپنے اس مضمون میں بڑا زور دیا کرتا تھا۔ مقطوع اللحیہ میرے حدیث کے سبق میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مولوی صاحب تھے جو حدیث کی سب کتابوں میں داخل تھے مگر ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ مدرسین حضرات کو اس کی طرف التفات نہ ہوا مگر میں نے کہدیا کہ ابو داؤد کے سبق سے آپ کا نام کاٹ دیا۔ مگر وہ سبق میں آتے رہتے۔ سہ ماہی کے امتحان میں سب مدرسین کے یہاں اُن کا نام تھا۔ مگر ابو داؤد میں نہیں تھا۔ مہتمم صاحب کو خیال ہوا کہ شاید سہو سے رہ گیا، اُسی وقت مجھ سے دریافت کیا گیا۔ میں بھی امتحان گاہ میں موجود تھا، میں نے کہدیا کہ غلطی سے نہیں رہ گیا بلکہ انکی ڈاڑھی کٹی ہوئی تھی اس لئے میں نے نام کاٹ دیا۔ اگرچہ مدرسہ کا قانون یہ تھا کہ مدرس نام نہیں کاٹ سکتا تھا مہتمم صاحب نام کاٹ سکتے تھے۔ مگر میرے اکابر کی شفقتوں نے مجھے ایسا آزاد کر رکھا تھا کہ میں غیر حاضری وغیرہ پر اپنے رجسٹر سے نام کاٹ کر طالب علم سے کہدیا کرتا تھا کہ میں نے تمہارا نام کاٹ دیا، تم مہتمم صاحب سے جا کر شکایت کرو میں اُن سے نمٹ لوں گا۔ میرے اکابر کی محبت نے مجھے گستاخ بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بلند درجے عطا فرمائے اور میری تقصیرات کو معاف کرے۔

ایک یا دو برس کے بعد ان کا خط آیا کہ میں تم سے بیعت ہونا چاہتا ہوں میں نے لکھا کہ تم میری بدخلقی کو بھگت چکے ہو، میرے تشدد کو دیکھ چکے ہو میرے اکابر حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ حضرت رائپوریؒ کے خلفاء مجھ سے بہتر اور بااخلاق ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ۔ اس کے بعد پھر ان کا خط آیا کہ میرے جیسے سخت کی اصلاح تم سے ہی ہو سکتی ہے۔

یہ تو آپ بیتی بن گئی مقصود تو اس چیز کو ذکر کرنا تھا کہ اس ناکارہ کے حدیث کے اسباق میں ہمیشہ زور اس بات پر رہتا تھا کہ ائمہ اربعہ یا ائمہ حدیث میں سے یا اساتذہ کرام میں سے کسی کی اہانت سنگین جرم ہے۔

طریقت

ماقبل میں گذر چکا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال فرمایا کہ احسان کیا چیز ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (الحدیث) اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے اُسکو دیکھ رہے ہو۔

طریقت دراصل اس "احسان" ہی کا ایک نام ہے یا تحصیلِ صفتِ احسان کا طریقہ ہے۔ اسی کو تصوّف اور...... سلوک کہتے ہیں، یا جو چاہے نام رکھدیا جائے۔ یہ سب تعبیرات ہیں۔

میرے دادا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی نے حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ مجھے تنہائی میں کچھ کہنا ہے، اور تنہائی میں تشریف لیجا کر یہ عرض کیا کہ میں بیعت تو ہوں مولانا محمد یعقوب دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی مولوی مظفر حسین کاندھلوی سے۔ ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی، اور انکی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدا سے اتباعِ سُنّت کا شوق تھا اور جو اوراد احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے وقت یہ۔ اور بازار میں جاتے وقت یہ، الیٰ غیر ذٰلک۔ میں ان کا بہت اہتمام کرتا رہا ہوں۔ اس لئے مجھے اعمال مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی، کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کرلیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور

اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرمادیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبۂ احسان حاصل ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ مرتبۂ احسان حاصل ہو جانے کے بعد اشغالِ صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا کوئی گلستان بوستان پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کرے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضییع اوقات ہے۔ اس لئے آپ کیلئے اشغالِ مشائخ میں اشتغال تضییع اوقات اور معصیت ہے۔ (ارواح ثلٰثہ حکایت ۲۹۹)

میں نے یہ قصہ اپنے اکابر سے بھی سُنا اور ان میں حضرت گنگوہی قدس سرّہ کا یہ سُنا تھا کہ جیسا حافظ قرآن یوں کہے کہ میں نے قاعدہ بغدادی نہیں پڑھا وہ بھی مجھے پڑھا دیجئے۔ حضرت قطب الارشاد قدس سرّہٗ کا دوسری جگہ ارشاد ہے، فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قوّتِ روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہی مرتبۂ احسان حاصل ہو جاتا تھا، جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم پاخانہ پیشاب کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے ہوں۔ یہ انتہا ہے، اور ان کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت بفیض نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہؓ میں تھی مگر جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کم تھی اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہؓ سے کم تھی لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور اس کمی کی تلافی کیلئے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کئے۔ ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے مگر جوں جوں خیر القرون کو بُعد ہوتا گیا ان میں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بے حد بدعات

علمی و عملی و اعتقادی داخل ہوگئیں۔ محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہوگئی لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا۔ حضرت نے مصلحین میں شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور مجدد الف ثانی اور سید احمد صاحب (شہید بریلوی) قدس اللہ اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان حضرات پر طریقِ سُنّت منکشف فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ طریقِ سنت میں یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اس میں رہزنی کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ ایک کھُلی ہوئی بات ہے کہ جن اُمور کا جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اہتمام فرمایا ہے جیسے نماز با جماعت وغیرہ۔ اگر کوئی سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرے اور فرائض و واجبات و سُنن مؤکدہ کا پُورا اہتمام کرے تو نہ خود اُس کو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل و بزرگ ہوگیا اور نہ دوسرے اُسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان امور کا اہتمام کرے جن کا جناب رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اہتمام نہیں فرمایا مثلاً چاشت، اشراق، صلوٰۃ اوّابین وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ میں بزرگ ہوگیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہوگیا۔

اسی تقریر کے دَوران میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیاء نے بجائے اس کے استغراق کو مقصود بنالیا۔ حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حاشیہ پر تحریر فرمایا، قولہ صحابہؓ نے عرض کیا:

اقول روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس

رضی اللہ عنہما قال اناس کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا الی السماء و ان یجامعوا نسائھم فیفضوا الی السماء فنزل ذلك (ای قولہ تعالی الا انھم یثنون صدورھم.....الایۃ) فیھم قولہ۔ صوفیاء نے بجائے اس کے الخ اقول وہی صوفیائے غیر محققین مراد ہیں۔

(ارواح ثلثہ حکایت ۲۹۷)

میں شروع میں بھی لکھوا چکا ہوں کہ میرے اکابر کے یہاں تصوف اور احسان ایک ہی چیز ہے جو شریعتِ مطہرہ کا جزء ہے۔ میرے اکابر کی تالیفات اس سے لبریز ہیں حضرت مجدد صاحبؒ نے بہت زیادہ اپنے مکاتیب میں اس پر زور دیا ہے۔ میں نے بھی حضرت مجدد صاحبؒ کے تین مکتوبؓ شائع کئے ہیں ان میں پہلا مکتوب صاحبزادگان یعنی اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے لڑکوں کے نام ہے جو بہت طویل اور بہت اہم ہے، دیکھنے کے قابل ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

"حصول تصفیہ و تزکیہ ان اعمال صالحہ کے انجام دینے سے متعلّق ہے جو مرضیات مولیٰ ہوں اور یہ بات بھی موقوف ہے بعثت انبیاءؑ پر۔ پس بغیر بعثت حصول حقیقت تصفیہ و تزکیہ بھی میسّر نہیں اور جو صفائی کفار و اہلِ فسق کو حاصل ہو جاتی ہے وہ (درحقیقت) صفائے نفس ہے نہ کہ صفائے قلب۔ صفائے نفس سے سوائے گمراہی اور خسارہ کے کسی اور بات کی طرف رہنمائی نہیں ہوتی، صفائے نفس کی حالت میں جو بعض امورِ غیبیہ کا کشف کفار و اہلِ فسق کو ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے۔"

ؓ یہ تین مکتوب، کتب خانہ اشاعت العلوم و کتب خانہ یحیوی سے فراہم ہو سکتے ہیں۔ ناشر

اس کے بعد عقائد پر زور دینے کے بعد تحریر فرمایا ہے :

"بعد از تصحیح عقائد احکام فقہ کے سیکھے بغیر چارہ نہیں ہے اور فرض و واجب، حلال حرام، سُنّت، مندوب، مشتبہ اور مکروہ کا جاننا بھی ضروری ہے اور ایسے ہی علم فقہ کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا بھی لازم ہے۔ بعد حاصل کرنے اعتقاد و عمل کے دو بازوؤں کے اگر توفیق ایزدی رہنمائی فرمائے تو طریقۂ صوفیاء کا سلوک ہے۔ یہ سلوک اس لئے نہیں کہ اس اعتقاد و عمل سے زائد یا نئی کوئی شئی حاصل کریں، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات کے بارے میں ایسا یقین واطمینان حاصل کریں کہ وہ یقین واطمینان کسی شک ڈالنے والے کے شک ڈالنے سے زائل نہ ہوسکے اور کسی شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو۔ نیز سلوک سے یہ فائدہ بھی ہے کہ اعمال کیلئے سہولت حاصل کریں اور سستی اور سرکشی جو نفس امّارہ سے پیدا ہوتی ہے زائل کریں۔ طریقۂ صوفیاء پر چلنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور انوار و الوان کا معائنہ کریں، یہ تو خود داخلِ لہو و لعب ہیں۔ حسّی صورتیں اور انوار کیا نقصان رکھتے ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضات و مجاہدات کر کے تمنّائے صور و انوارِ غیبی کرے، اس لئے کہ یہ حسی صورتیں اور وہ غیبی صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب کے سب مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔" فقط

یہ ناکارہ شروع میں لکھوا چکا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی تھی اُس میں پہلی چیز ایمان ہے یعنی اعتقادیات اور دوسرا امر اسلام تھا یعنی اعمالِ شرعیہ، اور تیسرا احسان تھا یعنی سلوک۔ یہی ترتیب حضرت مجدد صاحبؒ کے اس مکتوب میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔

ایک اور مکتوب ۳۶ اس بیان میں ہے کہ "شریعت تمام سعادت دنیویہ واُخرویہ کی کفیل ہے اور طریقت وحقیقت خادمان شریعت ہیں۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین جزء ہیں۔ علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزء متحقق نہ ہوں، شریعت متحقق نہیں ہوگی۔ شریعت متحقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ حاصل ہوگی اور یہ رضائے باری ہیں۔ تمام سعادات دنیویہ واُخرویہ سے بلند و بالا ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ پس شریعت ہی تمام سعادت دارین کی ضامن ہے۔ اب کوئی مقصد نہ رہا کہ اس مقصد کیلئے شریعت کے علاوہ کسی امر کی احتیاج ہو۔ طریقت وحقیقت جن کے ساتھ صوفیہ ممتاز ہیں دونوں شریعت کے جزء سوم یعنی اخلاص کی تکمیل کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ پس ان دونوں کی تحصیل سے غرض تکمیلِ شریعت ہی ہے نہ کہ کوئی اور امر علاوہ شریعت کے احوال ومواجید علوم ومعارف جو صوفیہ کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت ان خیالات کی سی ہے جن سے اطفال طریقت کی تربیت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں سے آگے بڑھکر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہئے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں مقامات جذب وسلوک کی انتہا ہے اس لئے کہ منازل طریقت وحقیقت کو طے کرنے سے مقصود سوائے تحصیل اخلاص کے اور کچھ نہیں اور اخلاص رضائے باری تعالیٰ کو مستلزم ہے۔ تجلیات ومشاہدات

عارفانہ سے گذار کر دولتِ اخلاص اور مقامِ رضا تک ہزار میں سے کسی ایک کو پہنچایا جاتا ہے۔ کوتاہ نظر لوگ احوال و مواجید کو مقاصد میں اور مشاہداتِ تجلیات کو مطالب میں شمار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے زندانِ وہم و خیال میں گرفتار اور کمالاتِ شریعت سے محروم رہتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ حصول مقامِ اخلاص اور حصول بمرتبۂ رضا ان احوال و مواجید اور علوم و معارف کے تحقق سے وابستہ ہے لہٰذا یہ احوال و مواجید مقدمات مقصود ہیں نہ کہ مقصود۔ مجھے یہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کامل دس سال کے بعد اس راہ میں چل کر واضح ہوئی ہے اور شاہدِ شریعت کماحقہ جلوہ گر ہوا ہے ہرچند کہ میں شروع سے بھی احوال و مواجید میں گرفتار نہ تھا اور حقیقت شریعت کے تحقق کے علاوہ کوئی مقصد میرے پیشِ نظر نہ تھا لیکن بعد عشرۂ کاملہ پورے دس سال کے بعد حقیقتِ امر پورے طریقہ پر ظاہر ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ (تجلیات ربانی ص۵۴)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ناکارہ نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس الاحرار کے حقیقتِ تصوف سے متعلق سوال پر ان سے بھی یہی عرض کیا تھا کہ تصوف تصحیحِ نیت کا نام ہے جیسا کہ آپ بیتی ۲ کے شروع میں مفصل گذر چکا ہے۔ آپ بیتی میں اور بھی بہت سے واقعات اس مضمون کے گذرے ہیں .... حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکاتیب میں بھی اس پر بہت زور ہے مکتوب ۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"کمالات ولایت صورت شریعت کا نتیجہ ہیں اور کمالاتِ نبوت حقیقتِ شریعت کا ثمرہ، پس کمالاتِ ولایت اور کمالات

نبوت میں سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو دائرۂ شریعت سے باہر اور شریعت سے مستغنی ہو۔" فقط

دوسرے مکتوب ۱۱ میں لکھتے ہیں:-

"تصحیح عقائد کے بعد علمائے اہلِ سنت والجماعت کی صائب رائے (جو کہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہے) کی موافقت بے حد ضروری ہے، نیز ادائے فرض و واجبات اور اجتناب از محرمات کے بغیر کام نہیں چل سکتا...... مسلمانی کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (جو حدیث جبرئیلؑ میں ایمان کی شرح میں گذر چکی) اگر ان پانچ چیزوں میں سے ایک بھی نہ ہوگی تو خانۂ دین ویران اور ناتمام رہے گا۔ بعد تصحیح عقائد و اعمال صوریہ۔ سلوک طریقۂ صوفیہ بھی ضروری ہے تاکہ معرفتِ حق حاصل ہو جائے اور خواہشاتِ نفسانی کی آویزش سے نجات ملے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو بندہ اپنے ولی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی معرفت سے خالی ہے اور اس کو نہیں پہچانتا وہ کیسے اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور کس طرح دوسری چیزوں سے مانوس ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"برادرم ملا حسن علی نے میرے ایک مکتوب بنام عبید اللہ بیگ پر ایک شبہ تحریر کیا ہے اور اس کا جواب مانگا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ حسن و قبیح کا امتیاز مقامِ شریعت میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ میں لکھا دیکھا ہے کہ طریقت میں سب سے صلح اور ہر کسی سے

دوستی ہوتی ہے بخلاف شریعت کے کہ وہاں دشمنوں سے جنگ اور دوستوں سے صلح ہوتی ہے الخ عجیب واہیات شبہ ہے بھلا طریقت کا شریعت سے کیا تقابل ہے اور ان دونوں میں مساوات کہاں سے آئی، شریعت تو ایسی قطعی وحی سے ثابت ہوئی ہے جس میں شکّ ریب کو بالکل گنجائش نہیں، اس کے احکام میں فسخ وتبدیلی نہیں، تا قیامِ قیامت یہ احکام باقی رہیں گے۔ شریعت کے تقاضا پر عمل کرنا تمام عوام وخواص کیلئے ضروری ولابدی ہے۔ طریقت کی مجال نہیں کہ وہ شریعت کے احکام کو اُٹھادے اور اہلِ طریقت کو تکالیفِ شرعیہ سے آزاد کردے۔ اہلِ سُنّت والجماعت کے عقائدِ قطعیہ میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ بندہ بحالتِ ہوش وحواس ہرگز ایسے درجہ پر نہیں پہنچتا کہ تکالیفِ شرعیہ اس سے ساقط ہوجائیں۔ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ جرگۂ اسلام سے باہر ہے۔ جس جماعت کو اللہ تعالیٰ اپنا دشمن قرار دے اور غلظت وشدت کا حکم دے اس سے آشتی اور دوستی رکھنا قاعدۂ اسلام سے خارج ہے، یہ بات اور دعوائے محبّتِ خدا اور رسولؐ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ محبوب کی اطاعت اور محبوب کے دوستوں سے دوستی اور اُس کے دشمنوں سے بیزاری لوازمِ محبّت سے ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض سالکین پر کچھ ایسے امور جو بظاہر مخالف کتاب وسُنّت ہوتے ہیں وارد ہوجاتے ہیں۔ سالک ایسے وقت میں سررشتۂ شریعت کو ہاتھ سے نہ دے۔

دانتوں سے مضبوط پکڑلے اور اپنے کشف ووجدان کے برخلاف اہلِ سُنّت وجماعت کی تقلید کرتے ہوئے ان کا اعتقاد وعمل اختیار کرے۔ بعض اوقات راہ سلوک کے خس وخاشاک اِنّی اَنا اللہ کا نعرہ لگاکر سالک بیچارہ کو مطالبِ اعلیٰ سے ہٹاکر اپنی پرستش کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ایسے وقت میں سالک مستقیم کو ضرورت ہے کہ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کہہ کر وَجَّهْتُ وَجْهِيَ الآیۃ کے بموجب میدان غیب الغیب میں دوڑ لگائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری متابعت کرے تاکہ زیغ البصر میں گرفتار نہ ہو"۔

(مکتوب خواجہ محمد معصوم ج۳ ص۱۲۱)

حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس مکتوب میں جس مضمون کی طرف اشارہ کیاہے آپ بیتی؎ ج۵ ص۱۹۷ میں بروایت حضرت نانوتوی ارواح ثلثہ سے نقل کیاہے کہ ایک بزرگ خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچہ کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے مُنھ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کردیجئے۔ اس وقت آپ پر شانِ عبدیّت غالب تھی اس لئے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس نے اصرار کیا مگر پھر آپنے وہی جواب دیا۔ غرض کہ تین چار مرتبہ یونہی ردوبدل ہوئی۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں تو آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چلدیئے کہ یہ کام تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تھا، وہ اندھوں اور مبروصوں کو اچھا کرتے تھے، میں اس قابل نہیں ہوں۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا کہ

؎ یہ کتاب جو بزرگان دین علماء ومشائخ ہندوپاک کی حکایات پر مشتمل ہے، ہمارے کتبخانہ سے طلب کیجئے: ناشر

تو کون عیسیٰ کون اور موسیٰ کون پیچھے لوٹ اور اس کے منھ پر ہاتھ پھیر، نہ تم اچھا کر سکے ہو نہ عیسیٰ، ما می کنیم (ہم کرتے ہیں) آپ یہ سن کر لوٹے اور ... ما می کنیم فرماتے جاتے تھے اور جا کر اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور آنکھیں اچھی ہوگئیں۔

یہ قصہ بیان فرما کر حضرت نانوتوی قدس سرہ نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھا کرتے ہیں کہ یہ ما می کنیم خود کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے۔ جب کوئی کسی گویئے سے عمدہ شعر سنتا ہے تو اس کو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد ما می کنیم بار بار دہراتے تھے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں، قولہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے۔ اقول منصور حلاج کے قول انا الحق کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے۔ (آپ بیتی ۵ ص ۱۹۷)

آپ بیتی ۵ میں بہت سے الفاظ بزرگوں کے اس قسم کے نقل کئے گئے ہیں اور بعد میں لکھا ہے کہ مقصد اس ساری تحریر سے یہ ہے کہ آدمی کو اپنی فکر میں ہر وقت مشغول رہنا چاہیئے۔ دوسروں کی تنقید یا عیب جوئی کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔ خاص طور سے اکابر کے جو کہ معتمد، مقتدا اور علماء ہوں، ان کے اقوال و افعال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے۔ خلاف شرع میں اتباع کسی کا نہیں لیکن ان کے اقوال و افعال کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ (آپ بیتی ۵ ص ۱۹۸)

خواجہ صاحب ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں،

"چاہیئے کہ کمر ہمت کو احکام شرعیہ کی انجام دہی کیلئے چست

باندھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شیوہ اور طریقہ بنائیں، سنن متروکہ کے زندہ کرنے کو زبردست کام سمجھیں، ہر وارد جو قلب پر گذرے اس کے چھپانے میں کوشش کریں، وقائع اور منامات پر اعتماد نہ کریں اگر کوئی خواب میں بادشاہ یا قطب وقت ہو جائے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بادشاہ اور قطب وہ ہے جو خارج میں منصب بادشاہت اور منصب قطبیت پر فائز ہو۔ اگر بالفرض خارج میں بھی کوئی بادشاہ ہو گیا اور کائنات اس کی مسخر ہو گئی تو کونسی بزرگی اس کو حاصل ہو گئی اور کونسا عذاب گور...... اور عذاب قیامت اس سے رفع ہو جائے گا۔

بلند ہمت لوگ اس قسم کے امور کی جانب التفات نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں کوشاں رہتے ہیں، وہ فنا و نیستی اور مستمر واردات میں کوشش کیا کرتے ہیں۔

تم جیسے دوستوں سے امید رکھتا ہوں کہ اس عاصی کو فراموش نہ کرو گے اور اس فقیر کے حق میں اللہ تعالیٰ سے رحمت مغفرت اور رضا کو مانگو گے۔" (مکتوبات خواجہ محمد معصوم ص ۱۷۴)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اس وقت عہد نبوت سے دوری اور قرب قیامت کی وجہ سے بدعت شائع ہوتی جا رہی ہے اور بدعت کی ظلمتیں عالم پر محیط ہیں۔ سنت غریب نادر ہو گئی ہے اور اس کے انوار مستور ہو رہے ہیں۔ سنن متروکہ کے زندہ کرنے اور علوم شرعیہ کے پھیلانے

کیلئے کمرِ ہمت خوب مضبوط باندھو اور اس امر کو وسیلۂ کمالِ رضامندیٔ حق بنالو۔ نیز قربِ بارگاہِ محمدی کو بھی اسی عمل سے ڈھونڈو۔ مضمونِ حدیث ہے کہ جو شخص میری ایسی سُنت کو جو متروکۃ العمل ہوگئی ہے زندہ کریگا اُس کو سَو شہیدوں کا ثواب ہے۔ احیائے سُنّت کا پہلا درجہ تو یہ ہے کہ اس سُنّت پر خود عمل کیے اور اعلیٰ درجہ اس سُنّت کی نشر واشاعت اور دوسروں کو اس پر عمل کرانے کی کوشش کرنا ہے۔" (مکتوبات خواجہ محمد معصوم صـ۲۹۰)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ تعلیم الدین صـ۱۸۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس غلطی کی اصلاح کہ فقیری میں اتباعِ شریعت کی ضرورت نہیں، فتوحات میں ہے:۔ جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو بد دینی اور مردود ہے۔ اور اسی میں ہے جو شخص کہے کہ ادھر کوئی اور راہ ہے۔ اللہ کی طرف برخلاف اس کے جو شریعت نے بتلا دیا اُس کا قول جھوٹا ہے، پس ایسے شیخ کو مقتدا نہ بنایا جائے جس کو ادب نہ ہو اور اس میں ہے:۔

"نہیں ہے، ہمارے لئے اللہ کی طرف کو کوئی راستہ مگر شرعی طور سے۔ اور نہیں ہے کوئی راہ ہمارے لئے اللہ کی طرف کو مگر وہی جو اُس نے شریعت میں بتلا دیا۔"

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں "اگر تم ایسا آدمی دیکھو کہ کرامتیں دیا گیا ہے یہاں تک کہ ہوا پر اُڑتا ہے تو دھوکہ میں نہ آجاؤ جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر ونہی اور حفظ حدود اور پابندیٔ شریعت میں کیسا ہے۔"

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں "سب راہیں بند ہیں کُل مخلوق پر سوائے اس کے جو قدم بقدم چلے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور فتوحات میں ہے نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو شخص نہ جانتا ہو اُس کے حکم کو کسی مرتبہ میں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا کسی جاہل کو ولی، اور اسی فتوحات میں ہے کہ باوجود علم کے بیہودگی کرنا بہتر ہے اُس عمل سے جو جہل سے ہو" فقط۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ عالِم اگر کوئی بیہودہ بات بھی کرتا ہے تو وہ ایسی خلاف اور بُری نہیں ہوتی کہ کفر وشرک تک نوبت پہنچ جاوے، اور چونکہ اُس کی بُرائی سے واقف ہے، توبہ کی اُمید ہے۔ بخلاف جاہل کے کہ بسا اوقات ضروری اعمال نماز، روزہ بھی درست نہیں ہوتا اور لاعلمی سے کفر وشرک لازم آجاتا ہے اور چونکہ اس کی بُرائی سے واقف نہیں توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ بڑا طویل مضمون تعلیم الدین میں حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے:

"میرے والد صاحبؒ ایک مرتبہ گرمی میں غسل فرمارہے تھے اور دو تین مستعد طالب علم پانی بھر بھر کر ڈول سے ڈال رہے تھے۔ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے حضرت جی یہ اسراف نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے واسطے اسراف ہے میرے واسطے نہیں۔ کہنے لگے یہ کیا بات؟ تو والد صاحب نے فرمایا کہ مَیں عالِم ہوں تم جاہل ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو وہی ہوگیا کہ مولوی اپنے واسطے جو چاہیں جائز کرلیں۔ والد صاحب نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے مولوی تو اس لفظ سے فضول بدکتے ہیں۔ ایک ہی کام اگر جاہل کرے تو اپنے جہل کی وجہ سے ناجائز کرکے کریگا، اور وہی کام اگر عالم کرے تو اُس کو جائز کرکے کریگا۔"

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضرت بلالؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجور لائے (جو عمدہ قسم کی ہوتی ہے) تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ میرے پاس گھٹیا کھجوریں تھیں تو میں نے اُس میں سے دو صاع کے بدلہ میں ایک صاع برنی لے لی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہائے ہائے یہ تو بالکل ربوٰا ہوگیا، ایسا ہرگز نہ کیجیو، جب ایسا کرنا چاہو تو دو صاع کھجوریں داموں سے فروخت کردیجیو اور ان داموں سے ایک صاع برنی خریدلیجیو۔ ظاہر ہے کہ جاھل ان دونوں میں کیا فرق کریگا۔ وہ تو یہی سمجھے گا کہ دو کے بدلہ میں ایک صاع برنی لی گئی۔ لیکن عالم اس کو جائز کر کے خریدیگا کہ پہلے ان کو مثلاً دو روپے میں فروخت کریگا اور ان ہی دو روپے میں ایک صاع برنی خریدلیگا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کے مکاتیب میں بھی کثرت سے اس پر زور دیا گیا ہے کہ مقصود اصلی سلوک سے احسان ہے۔ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے محترم! مقصود اصلی سلوک سے احسان ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (الحدیث) یعنی سالک میں ملکۂ راسخہ پیدا ہوجائے، یہ مبدا ہے، اور باعتبار نہایت کے رضائے باری عز اسمہٗ کا حصول ہے ؎

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

(فراق و وصل کو کیا ڈھونڈتا ہے، محبوب کی رضامندی ڈھونڈ

کہ محبوب سے محبوب کے سوا کی تمنا بڑے افسوس کی بات ہے)

یہ کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت صادقہ پیدا ہوجائے اور وہ بڑھتے بڑھتے اتنی ہوجائے کہ ماسوا کا تعلق قلبی منقطع ہوجائے یہ اور اس کے مؤیدات وذرائع سب کے سب وسائل ہیں ریاضات اور اصلاح اخلاق بھی اسی قسم سے ہیں۔ متقدمین صوفیاء اصلاح اخلاق کو مقدم سمجھتے ہیں اور بسا اوقات اس میں سالہا سال خرچ کردیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بسا اوقات وصول الی اللہ سے پہلے ہی موت آجاتی ہے اور انسان کو اس نعمت سے محرومی کی حالت میں دنیا سے سفر کرنا پڑتا ہے۔ متاخرین نے اس میں تدبر سے کام لیا وہ وصول الی اللہ اور توجہ الی الذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں اور اس رابطہ میں انہماک کراکر حضور دائم کو پیدا کرتے ہیں اور اسمیں ملکہ کو رسوخ وقوت دیتے ہیں اور جس کی وجہ سے اخلاق ذمیمہ اور رذائل ایک ایک کر کے زائل ہوجاتے ہیں۔ بہر حال آپ توجّہ الی الذات المقدسہ میں ہمیشہ کوشاں رہیں خواہ ذات محضہ کی طرف یا باعتبار صفۃ من صفاتہ الکاملہ اور اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ کا حال قائم رکھیں۔ انسان کے اعمال میں نقائص کا ہونا فطری امر ہے مگر انسان کا فریضہ ہے کہ نقائص کے ازالہ میں کوشاں رہے اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہر نماز میں اخلاص سے کہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں دعا میں ماعرفناك حق معرفتك ← ولا عبدناك حق عبادتك

حق ادا کر سکے) غرض کہ اپنی طرف سے جد و جہد اعمال کی تتمیم
و اخلاص کی تکمیل ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے۔ اور بارگاہِ
خداوندی میں اقرار بالتقصیر کے ساتھ جو کہ واقعی امر ہے معافی
کی درخواست ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے۔ اور قبولیت کی امید
رکھتے ہوئے ہر وقت خائف عن غضبہ تعالیٰ بھی رہنا ضروری
ہے۔ الایمان بین الخوف والرّجاء۔

اتباع سُنّت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں علاوہ
مراقبۂ معلومہ کے دوسرے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے
مگر تائید اور تقویت کے لیے جونسا ذکر مناسب سمجھیں کرتے رہا
کریں، صراطِ مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں"۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۳ مکتوب ۶۶)

ایک اور طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"جہاں تک ممکن ہو اتباع شریعت اور سُنن نبویہ علیٰ صاحبہا
الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری ہمیشہ ملحوظ قلب و بصر رکھیئے۔ ذکر
میں غفلت مت کیجیئے، اپنی غفلات اور معاصی پر ہمیشہ تائب
اور مستغفر رہیئے۔ عمر گرانمایہ کو ضائع مت کیجیئے ؎

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق
علمیکہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

(دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرے سب بیکار ہے، عشق کے اسرار
کے علاوہ جو کچھ پڑھے بیکار ہے، سعدی! غیر حق کو دل کی تختی سے
دھو دے۔ جو علم اللہ تعالیٰ کا راستہ نہ دکھائے جہالت ہے)"۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ۶۹/۳ صفحہ ۲۷۰)

اس سے اگلے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ بتلائے ہوئے اذکار کو چھوڑ
بیٹھے ہیں۔ کبھی جوش آیا مہینہ دو مہینے کیا پھر چھوڑ بیٹھے، کیا یہ
واقعہ نہیں ہے کہ آپ پنجگانہ نمازِ جماعت کی پابندی نہیں کرتے۔
کیا یہ واقعہ نہیں کہ نمازِ فرض کو آپ قضا کر دیتے ہیں۔ صبح کو اس قدر
سوئے کہ آفتاب نکل آیا، کیا اس قسم کے واقعات سے آپکے ہمدردوں
اور خیر خواہوں کے دل پر صدمہ نہ ہوگا۔ بہر حال آپ کو لازم ہے کہ
اپنی اصلاح کریں۔ اتباع شریعت اور احیائے سُنّت میں کوشاں
ہوں، جب آپ پر مصائب کی بوچھاڑ ہوتی ہے تب تنبہ ہوتا ہے
اور جب اللہ تعالیٰ فارغ البالی عطاء فرماتا ہے تو بالکل بے فکر
بن جاتے ہیں۔ جس قدر بھی ممکن ہو اپنے کو ذکر کا عادی بنائیے"۔

(مکتوب ۷۰/۳)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"جو احوال جناب نے تحریر فرمائے ہیں اطمینان بخش
اور امید افزا ہیں (الاستقامۃ فوق الکرامۃ) خواب یا انوار یا الہامات
وغیرہ صرف دل بڑھانے کیلیے سالک کو پیش کئے جاتے ہیں جیسے بچے

کو نبھانے کیلئے گھنگھنا دیدیا جاتا ہے ۔ اکابر کا مقالہ تلک
خیالات تربی بھا اطفال الطریقۃ (یہ سب خیالات
ہیں جن سے سلوک کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے) مشہور ہے۔
عبادت اور ذکر پر مداومت، اتباع سنت اور شریعت پر قیام
یہی امور ہیں جن کے ہم مکلف ہیں اور جن پر استقلال سے عمل
پیرا ہونا اور درجات احسان کا حاصل ہونا کمالِ ایمانی ہے۔
خوف خداوندی اور رجاء دونوں ایمان کے کمال کی نشانیاں ہیں
بکاء اور گریہ کا غلبہ چشتیہ نسبت کا ظہور ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔
(مکتوبات شیخ الاسلامؒ جلد سوم ص۱۶۸ مکتوب ۵۵)

اس سے اگلے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"محترما! دنیاوی مصائب بھی اُس کی رحمتیں ہیں جن کے
ذریعہ سے بندہ کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے ورنہ بندہ فرعونِ بے سامان
بن کر انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگانے لگتا ہے وَلَوْ بَسَطَ
اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ (اور اگر اللہ تعالیٰ
اپنے سب بندوں کیلئے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت
کرنے لگتے ۔ بیان القرآن) اس کی دلیل ہے۔ نیز ابتلاء اور امتحان
آزمایش اور پرکھ دونوں طرح جاری ہے، انعام اور وسعت
دنیاوی سے بھی اور تنگدستی اور مصائب سے بھی۔ وَنَبْلُوْكُمْ
بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح
آزماتے ہیں۔ بیان القرآن) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وَبَلَوْنَاهُمْ

بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ (اور ہم ان کو خوش حالیوں اور
بدحالیوں سے آزماتے ہیں۔ بیان القرآن)
غرضیکہ یہ عالم امتحان کی جگہ ہے اور طرح طرح سے امتحانات
کا سلسلہ جاری ہے اس میں پاس ہونے کی فکر ہونی چاہئے اور بجز
مالک حقیقی دائم و باقی کسی چیز اور کسی شخص سے دل لگانا نہ چاہئے۔
جو کام کیجئے حسن نیت کے ذریعہ سے عبادت بنالیجئے۔ اِنَّمَا
الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ حتی کہ سونا، کھانا، پینا اور حاجات بشریہ
کا بجالانا سب عبادت ہو سکتا ہے۔ ذریعہ اور وسیلۂ عبادت
یقیناً عبادت ہے ذکر اور فکر سے مقصدِ اصلی رضائے محبوب حقیقی
ہے، کسی لذت کا حاصل ہونا، قلب کا صاف ہونا، کشف و کرامات
کا مل جانا، انوار و برکات کا محسوس ہونا۔ فنا اور بقاء قطبیت
غوثیت سب کے سب غیر مقصود ہیں۔ ان کی طرف توجہ اور قصد
خطرناک چیزیں ہیں ؎

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

(فراق و وصل کو کیا ڈھونڈتا ہے محبوب کی رضامندی ڈھونڈ
کہ محبوب سے محبوب کے سوا کی تمنا بڑے افسوس کی بات ہے)
مذکورہ بالا اشیاء، وسائل و ذرائع ہیں مقصد اصلی صرف
رضائے الٰہی ہے۔ بندہ کا فریضہ آداب عبودیت بجالانا ہے۔
اس میں جد و جہد جاری رکھیئے اور اخلاص وللہیت کو ہمیشہ

پیشِ نظر رکھیئے۔" (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج ۳ مکتوب ۵۹ ص ۱۲۹)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ عمرِ عزیز اور اس کے لمحات بیش قیمت جواہر ہیں۔ ہم اپنی غفلتوں میں ان کو ضائع کر رہے ہیں جن کا خمیازہ بجز کفِ افسوس ملنے کے اور کیا ہو سکتا ہے اور کیا ہوگا جبکہ ہم کو کہا جائے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُم مایتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر فذوقوا فما للظّالمین من نصیر۔ (کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا یعنی پیغمبر، سو مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیان القرآن)

میرے محترم! دوستوں اور احباب کی وجہ سے ان لمحاتِ عزیزہ کو ضائع کرنا کس قدر بے وقوفی ہے، سوچکر اور غور کر کے اس کو سمجھیئے۔

یہ جلسہ بازیاں اور اٹھکھیلیاں آج اچھی معلوم ہو رہی ہیں مگر موت کے قریب اور بعد ان پر لعنت اور ہزار لعنت بھیجنی ہوگی، ان میں جہاں تک ممکن ہو کمی کیجیئے۔ لَاتُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پاویں۔ بیان القرآن) پر غور کیجیئے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ (مال اور اولاد حیاتِ دنیا کی ایک رونق ہے

اور جو اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور اُمید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔ بیان القرآن) کو پسِ پشت نہ ڈالئے۔ یہ جوانی کی عمر اور صحتِ حاضرہ نہایت عظیم الشان نعمت ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دیجیئے ؎

ہر نفس بہرِ مسیحائیت چُست
گر نداری پاس او از جہل تست
ایں چنیں انفاس خوش ضائع مکن
غفلت اندر شہرِ جاں شائع مکن

(ہر لمحہ (زندگی) مسیحائی کیلئے آمادہ اور تیار ہے۔ اگر تو اس کا لحاظ نہیں کر سکتا تو یہ تمہاری جہالت ہے، ان بہترین لمحات کو ضائع مت کر اور غفلت کو رُوح کے شہر میں عام مت کر،) نعمتان مغبون فیہما کثیر من النّاس الصحة والفراغ (دو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارہ میں ہیں، صحت اور فراغت) اس کی قدر کیجیئے اور پاسِ انفاس کو اس درجہ بڑھایئے کہ بلا قصد و بلا اختیار ہر وقت ہونے لگے اور اس کے بعد ذکرِ قلبی کے جریان کی نوبت پہنچ جائے اور ترقیٔ سلوک کا راستہ کھُل جائے۔ تاخیر نہ کریں اتباعِ سُنّت کا ہر حرکت و سکون میں لحاظ رکھیئے۔" (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج ۲ مکتوب ۱۸۸ ص ۴۴۸)

اکابر کے کلاموں میں بہت تصریح اس بات کی ہے کہ اصل مقصود درجۂ

احسان کا حاصل کرنا ہے اور یہ مجاہدات و ریاضات جو صوفیوں نے تجویز کئے ہیں وہ امراض قلوب کی وجہ سے تجویز کئے ہیں جیساکہ امراض بدنیہ میں نئے نئے امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس کیلئے ڈاکٹر حکیم نئے نئے ادویہ تجویز کرتے رہتے ہیں جیسا ان کے متعلق یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ بدعت ہیں ایسا ہی ان علاجوں کے متعلق یہ تجویز کرنا کہ یہ بدعات ہیں یہ ناواقفیت ہے۔ وہ تو اصل مقاصد میں ہی نہیں۔ وہ تو خاص خاص امراض کے خاص خاص طریقۂ علاج ہیں۔

..... شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ "التحفۃ العراقیہ فی الاعمال القلبیہ" میں اعمالِ قلوب پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں (اصل رسالہ عربی میں ہے ترجمہ میں اس کا ملخص لیا گیا ہے) کہ یہ مختصر کلمات اعمالِ قلوب کے بیان میں ہیں جن کو مقامات و احوال سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ اصول ایمان و قواعدِ دین میں سے ہیں جیسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت۔ توکل، اخلاص، شکر، صبر، خوف و رجاء وغیرہ، یہ سارے اعمال تمام مخلوق پر واجب ہیں۔ اس میں ائمۂ دین کا اتفاق ہے اور لوگ اس میں تین درجہ پر ہیں جیساکہ اعمالِ ابدان میں تین درجوں پر ہیں۔ (۱) ظالم (۲) مقتصد (۳) سابق بالخیرات۔

(۱) ظالم وہ ہے جو کسی مامور کا تارک اور ممنوع کا مرتکب ہو۔ (۲) اور مقتصد وہ ہے جو واجبات کو ادا کرے اور محرمات سے بچے۔ (۳) اور سابق بالخیرات وہ ہے جو حتی المقدور تقرب حاصل کرے۔ واجبات، مسنونات و مستحبات سب کے ذریعہ اور ممنوعات کی ہر قسم محرمات، مکروہات سب سے بچے۔ اگرچہ مقتصد اور سابق بالخیرات سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں جو یا تو توبہ سے یا نیکیوں یا مصائب کے ذریعہ سے

معاف کردیئے جاتے ہیں اور یہ دونوں مقتصدین اور سابقین ..... اولیاء اللہ میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ط لہذا اولیاء اللہ مومنین متقین ہیں۔ لیکن یہ ان مومنین متقین کی دو قسمیں ہیں، عام اور خاص۔ عام مقتصدین ہیں اور خاص سابقین بالخیرات ہیں۔

اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے پورے رسالہ میں اعمالِ باطنہ کی مختصر تفصیل لکھی ہے۔ صدق و کذب، اللہ کی محبت، اس کے ساتھ اخلاص، اس پر توکل اور اس کی رضا جوئی اور اس جیسے اعمالِ باطنہ سب مامور بہ ہیں، توکل علی اللہ اور اللہ سے مدد چاہنے سے بھی بندہ اپنے مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔ پھر توکل پر مفصل بحث کی ہے۔ واجبات ایمان میں سے سب سے اعظم و اکبر و اجل اللہ کی محبت اور اس کے رسولؐ کی محبت ہے۔ نیز اللہ کے محب اور محبوبین کی صفات اور یہ کہ اللہ کی محبت اصل اعمال دین ہے اور رجاء، خوف وغیرہ اللہ کی محبت کو مستلزم ہیں۔ اللہ کی محبت میں قدماء صوفیاء کا کلام، اللہ کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کے رسولؐ کا اتباع کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع باطناً و ظاہراً اللہ کی محبت کو پیدا کرتا ہے۔ وغیرہ امور پر بہت طویل کلام کیا ہے، پورا رسالہ دیکھنے کے قابل ہے۔"

حافظ ابن قیمؒ نے بھی الوابل الصیب من الکلم الطیب صہ ۶۹ میں جو سراسر صوفیاء کے احوال اور ان کے اذکار و اوراد کے بارے میں ہے اس میں شیخ کیلئے یہ شرائط بتائی ہیں کہ جب کوئی شخص کسی سے مرید ہونا چاہے تو اس کو چاہیے کہ دیکھے کہ وہ اہلِ ذکر میں سے ہو، اہلِ غفلت میں سے نہ ہو۔ اور یہ کہ

وہ متبع سُنّت ہو، متبع ہوا نہ ہو اور اپنے امور میں محتاط ہو۔ اگر ایسا شیخ مل جائے تو اس کے رکاب کو مضبوط پکڑ لے اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا معمول نقل کیا ہے (صا پر) کہ شیخ کے پاس ایک دفعہ میں حاضر ہوا اُنہوں نے فجر کی نماز پڑھی اور اسی جگہ بیٹھ کر زوال کے قریب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے اور مجھ سے فرمایا کہ یہ ذکر میرا صبح کا کھانا ہے۔ اگر میں صبح کا یہ کھانا (ذکر) نہ کھاؤں تو میری قوت ختم ہو جائے اور میں ذکر صرف اس وجہ سے چھوڑتا ہوں تاکہ نفس کو آرام دیکر دوسرے ذکر کیلئے تیار کروں۔

حافظ ابن قیمؒ نے ایک کتاب "مدارج السالکین" تصوّف ہی میں لکھی ہے جو شیخ ابو اسماعیل عبداللہ ہروی حنبلی صوفی متوفی ۴۸۱ھ کی تصوّف کی مشہور کتاب "منازل السائرین" کی شرح ہے اسمیں ساری تصوّف ہی کی بحثیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "آدمی کی بندگی دل اور زبان اور بقیہ اعضاء پر منقسم ہے، واجبات قلب اخلاص توکّل، محبّت، صبر، انابت خوف و رجاء تصدیق جازم، نیت صدق ہیں۔ اُمّت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ اعمال قلبیہ واجب ہیں۔ اس کے بعد مختلف فیہ واجبات کو ذکر کیا ہے جس میں رضا بالقضاء اور نماز کا خشوع کہ اگر خشوع فوت ہو جائے تو نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں۔ اس کے محرمات کا ذکر کیا ہے کہ محرمات دو قسم کی ہیں، ایک کفر، ایک معصیت کفر جیسے شک نفاق، شرک وغیرہ اور معصیت کی بھی دو قسمیں ہیں، کبائر اور صغائر۔ کبائر جیسے ریاء، عجب، کبر، فخر، خیلاء، ناامیدی، اللہ کے مکر سے بے خوف ہونا، مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے سے خوش ہونا اور اُن کی مصیبت پر مسرّت کا اظہار کرنا اور اس کو پسند کرنا کہ مسلمانوں میں فواحش پھیلیں اور

مسلمانوں پر حسد کرنا اور ان جیسے امور جو زنا، شرب خمر وغیرہ کبائر ظاہرہ سے بھی بہت زیادہ سخت ہیں اور ان امور کو چھوڑے اور توبہ کئے بغیر قلب کی صفائی نہیں ہو سکتی۔ اگر صفائی نہ کی گئی تو قلب فاسد ہو جائے گا اور جب قلب فاسد ہو جائے گا تو بدن بھی فاسد ہو جائے گا۔ قلب کی اصلاح جوارح سے مقدم ہے۔ اگر قلب کی اصلاح کو نظر انداز کر دیا گیا تو قلب ان کے اضداد سے بھر جائے گا۔ اخیر تک بہت مفصّل کلام ہے۔ اور ان ہی چیزوں کی اصلاح کیلئے مشائخ تصوف سارے ریاضات و مجاہدات کراتے ہیں۔

حضرت قطب الارشاد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کا ارشاد مولانا میرٹھی نے حضرت کی سوانح تذکرۃ الرشید جلد دوم صا میں لکھا ہے کہ:۔

حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہٗ کا اپنے دستِ مبارک کا لکھا ہوا پرچہ ملا جو آپ نے اوائلِ عمر میں معلوم نہیں کس مقصد سے لکھا تھا۔

"علم الصوفیہ علم الدین ظاھرًا وباطنًا وقوۃ الیقین وھو العلم الاعلیٰ۔ حالھم اصلاح الاخلاق ودوام الافتقار إلی اللہ تعالیٰ۔ حقیقۃ التصوّف التخلّق باخلاق اللہ تعالیٰ وسلب الارادہ وکون العبد فی رضاء اللہ تعالیٰ۔ اخلاق الصوفیۃ ما ھو خلقہ علیہ الصّلوٰۃ والسلام بقولہ إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ وما ورد بہ الحدیث وتفصیل اخلاقھم ھکذا (۱) التواضع ضدہ الکبر۔ (۲) المداراۃ واحتمال الاذی عن الخلق (۳) المعاملۃ

برفق وخلق حسن وترک غضب وغیظ (۴) المواساۃ والایثار بفرط الشفقۃ علی الخلق وھو تقدیم حقوق الخلق علی حظوظہ (۵) السخاوۃ (۶) التجاوز (۷) العفو وطلاقۃ الوجہ والبشرۃ (۸) السھولۃ ولین الجانب (۹) ترک التعسف والتکلف (۱۰) انفاق بلا اقتار وترک الادخار (۱۱) التوکل (۱۲) القناعۃ بیسیر من الدنیا (۱۳) الورع (۱۴) ترک المراء والجدال والعتب الا بحق (۱۵) ترک الغل والحقد والحسد (۱۶) ترک المال والجاہ (۱۷) وفاء الوعد (۱۸) الحلم (۱۹) الاناءۃ (۲۰) التواد والتوافق مع الاخوان والعزلۃ عن الاغیار (۲۱) شکر المنعم (۲۲) بذل الجاہ للمسلمین -

الصوفی یھذب الظاھر والباطن فی الاخلاق والتصوف ادب کلہ. ادب الحضرۃ الالٰھیہ الاعراض عمن سواہ حیاء واجلالاً وھیبۃ- اسوء المعاصی حدیث النفس وسبب الظلمۃ "

ترجمہ مولانا میرٹھی نے لکھا ہے :-

"صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر و باطن، علمِ دین و قوتِ یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے. صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لَو لگائے رکھنا ہے. تصوف کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہوجانا ہے.

صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق ہے. حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ "بے شک تم بڑے خُلق پر (پیدا کئے گئے) ہو" اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اُس پر عمل اخلاقِ صوفیاء میں داخل ہے. صوفیاء کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے :-

(۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبّر (۲) مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا (۳) نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا چھوڑ دینا (۴) ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرطِ شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظِ نفسانی پر مقدم رکھا جائے (۵) سخاوت کرنا. (۶) درگذر اور خطا کا معاف کرنا (۷) خندہ روئی اور بشاشتِ جسم (۸) سہولت اور نرم پہلو رکھنا (۹) تصنّع اور تکلف کو چھوڑ دینا (۱۰) خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو (۱۱) خدا پر بھروسہ رکھنا (۱۲) تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا (۱۳) پرہیزگاری (۱۴) جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ (۱۵) بغض و کینہ اور حسد نہ رکھنا. (۱۶) عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا (۱۷) وعدہ پورا کرنا.

(۱۸) بُردباری (۱۹) دوراندیشی (۲۰) بھائیوں کے ساتھ موافقت ومحبت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا (۲۱) محسن کی شکرگزاری (۲۲) اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔"

صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر وباطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوّف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔ شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال اور ہیبت کے سبب؛ بدترین معصیت ہے تحدیثِ نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

انتہی کلام قطب الارشاد مع الترجمہ۔

بیعت

صوفیار کی بہت سی چیزوں پر لوگوں کو اعتراض ہے۔ حالانکہ بیعت صوفیاء کے یہاں لازم نہیں جیساکہ میں آگے بیان کروں گا، مگر اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے۔ قرآنِ پاک میں سورۂ ممتحنہ میں ہے یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ..... الآیۃ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچّوں کو قتل کریں گی۔ اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنالیویں اور مشروع باتوں میں آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ اُن کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

(بیان القرآن)

اس کے حاشیہ پر حکیم الاُمّت نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت بیعت کی غرض میں صریح ہے اور اس سے بیعتِ رسمی کا جس میں عمل کا اہتمام نہ ہو ابطال لازم آتا ہے۔ بخاری شریف میں کتاب الایمان میں حضرت عبادہؓ بن الصامتؓ کی روایت ہے:۔

عن عبادة بن الصّامت رضی اللہ عنہ وکان شهد بدرًا وهو احد النقباء لیلة العقبة انّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وحولہ عصابۃ
من اصحابہ بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئاً
ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا
ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا
فی معروف فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن
اصاب من ذالک شیئاً فعوقب فی الدنیا فھو
کفارۃ لہ ومن اصاب من ذالک شیئاً ثم
سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء
عاقبہ فبایعناہ علی ذالک ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے ایک تھے ان سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور آپؐ کے چاروں طرف صحابہؓ کی ایک جماعت تھی، آؤ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے اور نہ چوری کروگے، نہ زنا کروگے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کروگے اور نہ کسی پر بہتان باندھوگے اور مشروع باتوں میں خلاف نہ کروگے۔ جو اس عہد کو پورا کرے اُس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور جو ان چیزوں میں سے کسی کا مرتکب ہوگا اور اُس کی سزا اُس کو دنیا میں مل گئی تو یہ سزا اُس کیلئے کفارہ ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں ستاری کی تو آخرت میں اللہ

جل شانہ چاہے اُس کو سزا دیں چاہے معاف کریں یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان باتوں پر آپؐ سے بیعت کی۔"

یہ بیعت نہ بیعتِ اسلام ہے نہ بیعتِ جہاد ہے، وہی بیعتِ صوفیاء ہے جو امورِ اسلام پر تاکید کے واسطے کی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے القول الجمیل میں بیعت کی حقیقت پر مفصل کلام کیا ہے جس کا ترجمہ شفاء العلیل میں یہ ہے:-

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ... الآیۃ۔ حق تعالیٰ نے فرمایا مقرر جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ سو جو عہد شکنی کرتا ہے تو اپنی ذات کی مضرت پر عہد توڑتا ہے۔ اور جس نے پورا کیا اس کو جس پر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا سو عنقریب ان کو اجرِ عظیم عنایت کریگا۔

اور احادیثِ مشہورہ میں منقول ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ لوگ بیعت کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ہجرت اور جہاد پر۔ اور گاہے اقامت ارکانِ اسلام یعنی صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ پر۔ اور گاہے ثبات اور قرار پر معرکۂ کفار میں جیسا کہ بیعت الرضوان اور کبھی سنتِ نبویؐ کے تمسک پر۔ اور بدعت سے بچنے پر اور عبادات کے

حریص اور شائع ہونے پر۔ چنانچہ بروایت صحیح ثابت ہوا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی انصاریوں کی
عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر۔ اور ابن ماجہ نے روایت کی کہ آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند محتاج مہاجرین سے بیعت
لی اس پر کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں۔ سو ان میں سے
کسی شخص کا یہ حال تھا کہ اس کا کوڑا اگر گر جاتا تھا تو خود ہی اپنے
گھوڑے سے اُتر کر اُس کو اُٹھا لیتا تھا اور کسی سے کوڑا اُٹھا دینے
کا بھی سوال نہ کرتا تھا۔ اور جس میں کوئی شک شبہ نہیں وہ شے ہے
کہ جب ثابت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فعل
بطریق عبادت اور اہتمام کے نہ بر سبیل عادت تو وہ فعل سُنّت
دینی سے کمتر تو نہیں...... تو ہم کو چاہیئے کہ بیعت کی گفتگو
کریں کہ وہ کونسی قسم میں سے ہے۔ سو بعض لوگوں نے یہ گمان کیا
ہے کہ بیعت منحصر ہے قبول خلافت اور سلطنت پر اور وہ جو
صوفیوں کی عادت ہے باہم اہلِ تصوف سے بیعت لینے کی
وہ شرعاً کچھ نہیں۔ اور یہ گمان فاسد ہے بدلیل اس کے جو ہم
مذکور کر چکے کہ مقرر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گاہے بیعت لیتے
تھے اقامت ارکان اسلام پر اور گاہے تمسک بالسنّۃ پر۔ اور
صحیح بخاری گواہی دے رہی ہے اس پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے جریر رضی اللہ عنہ پر شرط کی اُن کی بیعت کے وقت۔
سو فرمایا کہ خیر خواہی لازم ہے ہر مسلمان کے واسطے اور حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی قوم انصار سے سو یہ شرط
کر لی نہ ڈریں امر خدا میں کسی ملامت گر کی ملامت سے اور حق
ہی بات بولیں جہاں ہوں، سو ان میں سے بعض لوگ امراء اور
سلاطین پر کھلکر بلا خوف ردو انکار کرتے تھے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں سے بیعت لی اور
شرط کر لی کہ نوحہ کرنے سے پرہیز کریں۔ ان کے سوا بہت
امور میں بیعت ثابت ہے اور وہ امور از قسم تزکیہ اور امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہیں۔

سلاطین کے زمانہ میں یہ بیعت کا سلسلہ اس واسطے بند
ہو گیا کہ اس سے بیعتِ خلافت سے اشتباہ ہو کر فتنہ پیدا نہ ہو
اُس زمانہ میں اہلِ تصوف نے خرقہ دینا قائم مقام بیعت
کرنے کے کر لیا تھا۔ پھر ایک زمانہ بعد جب بادشاہوں میں بیعت
خلافت کا سلسلہ متروک ہو گیا تو صوفیاء نے فرصت کو غنیمت
سمجھ کر بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔" فقط

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے مستقل فصل باندھی ہے کہ بیعت واجب ہے
یا سُنّت، اور تحریر فرمایا ہے کہ بیعت سُنّت ہے اس لئے کہ صحابۂ کرامؓ نے
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ
کا تقرب حاصل کیا اور کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ بیعت نہ کرنے والا گنہگار
ہو گا۔ اور نہ ہی ائمہ میں سے کسی نے تارکِ بیعت پر نکیر کی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ قول جمیل ص۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں: "بیعت جو صوفیوں

میں متوارث ہے وہ کئی طرق پر ہے۔ پہلا طریقہ بیعت توبہ ہے معاصی سے اور دوسرے طریقہ پر بیعتِ تبرک ہے۔ یعنی بقصد برکت صالحین کے سلسلہ میں داخل ہونا بمنزلہ سلسلہ اسناد حدیث ہے کہ اس میں البتہ برکت ہے اور تیسرا طریقہ بیعت تاکد عزیمت یعنی عزم مصمم کرنا واسطے خلوص امرِ الٰہی اور ترکِ مناہی کے ظاہر اور باطن سے اور تعلیق دل کی اللہ جل شانہ سے اور یہی تیسرا طریقہ اصل ہے اور پہلے دونوں قسم کے طریقوں میں بیعت کرنا عبارت ہے۔ ترک کبائر سے اور نہ اَڑنا صغائر پر اور طاعاتِ مذکورہ کو اختیار کرنا از قسم واجبات اور مؤکدہ سُنتوں کی اور عہد شکنی عبارت ہے خلل ڈالنے سے اس میں جن کو ہم نے مذکور کیا یعنی ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر اور طاعات پر مستعد نہ ہونا عہد شکنی ہے اور تیسرے طریقہ میں پُورا کرنا بیعت کا عبارت ہے مدام ثابت رہنے سے اس ہجرت اور مجاہدہ اور ریاضت پر یہاں تک کہ روشن ہو جاوے اطمینان کے نور سے اور یہ اس کی عادت اور خو اور جبلی ہو جاوے بلا تکلف تو اس حالت کے نزدیک گا ہے اُس کو اجازت دی جاتی ہے اس میں جس میں شرع نے مباح کیا ہے از قسم لذات کے اور مشغول ہونے کے بعضے ان کاموں میں جن میں طول مدت کی طرف حاجت ہو جاتی ہے جیسے درس کرنا علوم دینی کا اور قضا اور بیعت شکنی عبارت ہے اس کی خلل اندازی سے قبل از نورانیت دل کے۔"

التکشف میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے:۔

عن عوف بن مالک الاشجعیؓ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسعة او ثمانیة او سبعة فقال

الا تبایعون رسول اللہ فبسطنا ایدینا وقلنا علام نبایعک یا رسول اللہ قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا به شیئاً و تصلوا الصلوات الخمس و تسمعوا و تطیعوا و اسر کلمة خفية قال ولا تسئلوا الناس شیئاً فلقد رأیت بعض اولئک النفر یسقط سوط احدهم فما یسأل احد ایناوله ایاه اخرجه مسلم و ابو داود والنسائی۔

"حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے! ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا کہ ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سُنو اور مانو۔ اور ایک بات آہستہ فرمائی وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اُٹھا کر ان کو دیدے۔"

فائدہ: حضرات صوفیا کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے التزام احکام و اہتمام اعمال ظاہری و باطنی کا جس کو اُن کے

عرف میں بیعتِ طریقت کہتے ہیں۔ بعض اہلِ ظاہر اس کو اس بناء پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعتِ جہاد کرنا معمول تھا۔ مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخاطبین چونکہ صحابہؓ ہیں اس لئے یہ بیعتِ اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور مضمون سے ظاہر ہے کہ بیعتِ جہاد بھی نہیں بلکہ بدلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام واہتمامِ اعمال کے لئے ہے۔ پس مقصود ثابت ہوگیا۔

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ مریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم فرماتے ہیں کبھی تو یہ سبب ہوتا ہے کہ وہ امر عام فہم نہیں ہوتا اس کے اظہار میں افتتان واضلال عوام کا ہے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خفیہ تعلیم دلیل خصوصیتِ اہتمام ہے اس میں طالب کے دل میں زیادہ وقعت اور منزلت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی نفع ہے کہ دوسرے طالبین اس کو سُن کر حرص وتقلید نہ کریں جن کی حالت کے مناسب دوسری تعلیم ہے۔ سو اس حدیث میں اس عادت کی اصل پائی جاتی ہے۔ نیز اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ رعایت معنی کے ساتھ مدلول ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ مراد منع کرنا تھا دوسرے کی چیز مانگنے سے، نہ کہ اپنی چیز بطور استعانت مانگنے سے۔ مگر چونکہ لفظ فی نفسہ اس کو محتمل تھا کہ گو وہ احتمال قرائن کی وجہ سے یقیناً منفی ہے اس احتمال لفظی کی رعایت سے اپنی چیز مانگنے کی بھی احتیاط رکھی۔ جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے

اثنائے خطبہ میں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابی دروازہ سے آرہے تھے، سُن کر وہاں ہی بیٹھ گئے۔ حالانکہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ اندر آکر موقع پر بیٹھ جاؤ کھڑے مت رہو، نہ یہ کہ آؤ بھی مت۔

یہ شعبہ ہے غایت احترام وتأدبِ شیخ کا جو کہ استفادہ باطنی کیلئے شرط اعظم ہے۔ اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے حضرت عبادہؓ کی حدیث نقل کی ہے جو پہلے گذر چکی۔ اس کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ جن لوگوں کو آپؐ نے بیعت کا امر فرمایا وہ صحابہؓ تھے جس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعت اسلام و جہاد کے ترکِ معاصی والتزام طاعات کیلئے بھی بیعت ہوتی تھی، یہی بیعت طریقت ہے جو صوفیا میں معمول ہے۔ پس اس کا انکار ناواقفی ہے۔ فقط۔

از زکریا عفی عنہ۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر شیخ بعض خصوصیات کی وجہ سے کسی مرید سے کہے کہ مجھ سے بیعت ہوجا تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ میرے عزیز ابتداءً ومکرم ومحترم انتہاءً مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ نے حیاۃ الصحابہؓ میں باب البیعت میں بہت تفصیلی روایات جمع کی ہیں اور بیعۃ الاسلام، بیعۃ الجہاد وغیرہ کے ابواب کثرت سے قائم کئے ہیں وہاں ایک مستقل عنوان "البیعۃ علی اعمال الاسلام" کا بھی قائم کیا ہے۔ یہ روایات اور ان کی تخریجات اور اسانید تو بہت لمبی ہیں چند مختصر روایات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس کو تفاصیل دیکھنی ہوں وہ اصل حیات الصحابہؓ سے پوری روایات اور تخریجات دیکھ لے۔

(۱) بشیر بن خصاصیہؓ کہتے ہیں کہ میں بیعت کیلئے حضور اقدس صلی اللہ

عہ یہ کتاب عربی میں تین جلدوں میں مکمل اردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔ ناشر کتاب ھذا سے طلب فرمائیے۔

علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پُوچھا کہ آپ کن اُمور پر مجھ سے بیعت لیتے ہیں۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک (بیعت کرنے کے واسطے) پھیلائے اور فرمایا کہ تو گواہی دے اس بات کی کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اُس کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں۔ اور پانچوں نمازیں اپنے اپنے اوقات پر پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور حج کرے اور اللہ تعالٰی کے راستہ میں جہاد کرے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ! سب باتوں کی مجھے طاقت ہے مگر دو چیزوں کی طاقت نہیں۔ ایک زکوٰۃ کی کہ میرے پاس صرف دس اُونٹ ہیں وہی میرے اہل وعیال کے دودھ کیلئے اور سواری کیلئے ہیں۔ اور جہاد کی بھی طاقت نہیں کیونکہ میں کمزوردل ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ جو جہاد سے بھاگے تو اللہ تعالٰی کے غصّہ کا سبب ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں جہاد میں شریک ہوں اور کسی وقت موت کے ڈر سے بھاگ جاؤں تو اللہ تعالٰی کے غضب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ تو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا اور حرکت دیکر فرمایا کہ او بشیر! جب نہ زکوٰۃ ہوگی نہ جہاد ہوگا پھر جنّت میں کیسے جائے گا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اچھا اپنے ہاتھ پھیلایئے میں بیعت کرتا ہوں تو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ مبارک پھیلائے اور میں نے ان تمام امور بالا پر بیعت کی۔"

(۲) حضرت جریرؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر بیعت کی اور اس بات پر کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جریر! اپنے ہاتھ پھیلا، تو میں نے عرض کیا کہ کس بات کیلئے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس واسطے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالٰی کا تابعدار بنادے۔ اور ہر مسلمان کیلئے خیر خواہی کر۔ اس کو انہوں نے بہت غور سے سُنا۔ اور آدمی بہت سمجھدار تھے اس لئے عرض کیا کہ یا رسُولَ اللہ جہاں تک مجھے طاقت ہے؛ تو اس کے بعد حضرت جریرؓ کا یہ کہنا لوگوں کیلئے رخصت کا سبب ہو گیا۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہے کوئی جو مجھ سے بیعت کرے تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا کہ ہمیں بیعت فرما لیجئے۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کریگا تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا اس کو کیا ملیگا، تو آپ نے فرمایا جنّت! تو حضرت ثوبانؓ نے بیعت کی۔ ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ مکّہ میں میں نے ان کو بڑے مجمع میں دیکھا کہ ان کا چابک گر جاتا تھا اور بعض دفعہ وہ کسی شخص کے کندھے پر گر جاتا اور وہ آدمی اُٹھا کر پکڑاتا تو وہ نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ خود سواری سے اُتر کر لیتے تھے۔

حضرت ابو ذرؓ کی حدیث کے بہت سے الفاظ بہت سی سندوں سے نقل کئے گئے ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پانچ دفعہ مجھ سے اس پر بیعت لی کہ میں اللہ تعالٰی کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈروں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا کہ چھ دن انتظار کر اور ساتویں دن تجھ سے ایک بات کہونگا اُسے اچھی طرح سمجھ لیجئے، ساتویں دن حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اوّل تجھے وصیت

کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے تقوے کی، تنہائی میں بھی اور مجمع میں بھی، خلوت میں بھی جلوت میں بھی۔ اور جب کوئی بُرائی ہو جائے تو اس کے بعد فوراً کوئی اچھا کام کرلیا کر، اور کسی سے سوال نہ کر، چاہے تیرا کوڑا ہی گر جائے، اور کسی کی امانت نہ رکھنا۔

حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں مروّجہ مجاہدات کی ضرورت نہیں تھی

حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیات میں حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہی درجۂ احسان تک پہنچانے کیلئے بہت کافی تھی۔ مشائخ متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں کثرت سے ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہی مرتبۂ احسان تک پہنچانے کیلئے بالکل کافی تھی، لیکن حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور نورانیت سے بُعد ہوتا گیا ظلمات کا اثر قلوب میں آتا رہا۔ حضرت انسؓ کا قول مشکوٰۃ ص۵۴۷ میں بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ جس دن حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی۔ اور جس دن حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہوا ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے انتقال کے بعد قبر اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی نورانیت میں فرق پایا، یعنی ہمارے قلوب میں وہ صفائی اور نورانیت نہ رہی جو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوتی تھی۔ حضرت حنظلہؓ کی روایت ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے پُوچھا کہ حنظلہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ کہنے لگے سُبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو! میں نے کہا

کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنت دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو دونوں چیزیں گویا ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے نکلتے ہیں اور بیوی بچوں، کاروبار میں گھل مل جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم یہ حالت تو میری بھی ہے، تو میں اور حضرت ابوبکرؓ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا کہا۔ تو میں نے اوپر والی ساری بات دہرائی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تم ہر وقت اس حال پر رہو جس حال میں میرے پاس ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو تو ملائکہ تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ گاہے گاہے، تین دفعہ ارشاد فرمایا، یعنی آدمی ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا حضوری کیفیت کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔ یہی حال مشائخ کا ہے کہ ان کی موجودگی میں جو کیفیات و حالات ان کے مریدین و متوسلین کے ہوتے ہیں وہ غیبت میں نہیں رہا کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد میں لفظ "ذکر" سے اور تعمیم ہو گئی کہ مجالسِ ذکر اور ذکر کی کثرت میں بھی حضور یعنی مرتبۂ احسان حاصل رہتا ہے اور ذکر کی کثرت شیخ کی مجلس میں حاضر ہونے کا بھی بدل ہے۔

(مشکوٰۃ بروایت مسلم ص۱۹۸)

التکشف ص۱۳۱ میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے ایک باغ میں

نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک دُبسی (کہ ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر ہے) اُڑا اور وہ چاروں طرف پھرنے لگا، نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور راستہ نہ ملتا تھا، تو ابوطلحہؓ کو یہ امر خوشنما معلوم ہوا کہ میرا باغ ایسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے، اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی، پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ اپنے دل میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو مجھ کو بڑا فتنہ پہنچا (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ باغ فی سبیل اللہ ہے جہاں چاہیں صَرف فرمائیے۔ روایت کیا اس کو امام مالکؒ نے۔

فائدہ (۱)۔ (عادۃ مراقبہ قلب) صوفیاء کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اِس وقت کیا حالت ہے جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلافی کرتے ہیں۔ ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کا یہ تنبہ اثر اس مراقبہ کا ہے۔

فائدہ (۲)۔ (حال غیرۃ) حق تعالیٰ سے غافل کرنیوالی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے جس کو غیرت کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

فائدہ (۳)۔ (تعلیم اخراج شئی مشاغل عن الحق از ملک یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کردے اُس کو اپنی ملک سے نکال دینا) اکثر بزرگوں

کی ایسی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کے جدا کر دینے کا حکم فرمادیا۔ اس معالجہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے کہ ان صحابی نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ (انتہی مافی التکشف)

مؤطا میں اسی قسم کا ایک قصہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا ایک انصاری کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک انصاری صحابی اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کھجوروں کا زمانہ تھا اور کھجوریں خوب لد رہی تھیں، اس باغ پر نظر پڑی اور بہت اچھا لگا (دل اس میں مشغول ہوا) پھر نماز کی طرف توجہ ہوئی تو یہ پتہ نہ چلا کہ کتنی رکعت پڑھی، تو کہنے لگے کہ مجھے اس باغ سے فتنہ پہنچا تو حضرت امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ سارا قصہ نقل کیا اور عرض کیا کہ یہ میرا باغ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ ہے جہاں چاہیں اس کو خرچ کر دیجئے تو حضرت عثمانؓ نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر دیا اور اس باغ کا نام خمسین ہو گیا (جس کا ترجمہ پچاس ہے) اور حضرت عثمانؓ نے اس کو بیچ کر صدقہ کر دیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات اس قسم کے بیسیوں نہیں سیکڑوں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بلا مجاہدات و ریاضات ہی مرتبۂ احسان حاصل ہو جاتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مؤطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعات اسی نسبت کے آثار ہیں جو قلب میں پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ہر چیز پر مقدم کرتے تھے اور اس کے ماسوا میں بڑی غیرت محسوس کرتے تھے۔ علامہ ابوالولید باجی کہتے ہیں کہ

صحابہ کرامؓ میں ایسے واقعات جو نماز میں دوسری طرف مشغول کر دیں بہت کم پیش آتے تھے، اور جب پیش آتے تھے تو اُن پر بہت بار ہوتا تھا۔ پھر ہم جیسوں کا کیا حال ہوگا جن کو کثرت سے اس قسم کے واقعات (وساوس) پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو معاف کرے۔ (اوجز ص ۳۱۴/۱)

اس ناکارہ کے رسالہ "حکایاتِ صحابہؓ" کے پانچویں باب میں ان حضرات کے نماز میں مشغولی و انہماک کے بہت سے واقعات لکھے ہیں جس میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (جو صغار صحابہؓ میں ہیں) نماز پڑھ رہے تھے اور اُن کا ایک بیٹا ہاشم نام پاس سو رہا تھا، چھت میں سے ایک سانپ گرا اور بچہ پر لپٹ گیا، وہ چلایا، گھر کے سب لوگ دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، سانپ کو مارا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیر کر فرمانے لگے کہ کچھ شور کی سی آواز آئی تھی کیا تھا؟ بیوی نے کہا اللہ تم پر رحم فرمائے بچہ کی تو جان ہی گئی تھی تمھیں پتہ ہی نہ چلا! فرمانے لگے تیرا ناس ہو اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی۔

حکایاتِ صحابہؓ میں بہت سے واقعات اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں، ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مجاہدات اور ریاضات کی کیا ضرورت تھی جو "ان تعبد اللہ کأنّك تراہ" کے مقام پر فائز تھے۔

عزیز محترم مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حیاۃ صحابہؓ میں بھی باب "حقیقت الایمان" میں صحابۂ کرامؓ کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں جس کا پہلا واقعہ حضرت حارث ابن مالک کا نقل کیا ہے کہ وہ مسجد میں سو رہے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پاؤں مبارک سے اُن کو حرکت

دی اور فرمایا کہ سر اُٹھاؤ۔ اُنھوں نے سر اُٹھا کر عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا ارشاد ہے؟ تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پُوچھا کہ کس حال میں صبح کی؟ اُنھوں نے عرض کیا یا رسُول اللہ اس حال میں صبح کی کہ پکّا مؤمن ہوں۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہر حقّ بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمھارے اِس کہنے کی کیا حقیقت ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ میں نے دُنیا سے مُنھ پھیر لیا اور سارے دن پیاسا رہا (روزہ رکھا) اور ساری رات بیدار رہا اور گویا مَیں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور گویا مَیں اہلِ جنّت کو دیکھ رہا ہوں کہ جنّت میں ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں، اور اہلِ نار کو دیکھ رہا ہوں جو ایک دوسرے کے دُشمن بنے ہوئے ہیں، تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تو ایسا آدمی ہے جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے روشن کر دیا، تجھے معرفت حاصل ہوگئی، اس پر قائم رہ۔ (حیاۃ الصحابہؓ ص 19/3)

مجاہدات و ریاضاتِ صُوفیہ

یہ پہلے گذر چکا کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں آپؐ کی زیارت ہی مرتبۂ احسان حاصل کرنے کیلئے کافی تھی جیسا کہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد پہلے گذر چکا اور جتنا حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کو بُعد ہوتا گیا اُتنا ہی نسبت احسان میں کمی آتی گئی اور اطبّاء روحانی کو ان کے معالجات کیلئے رُوحانی دوائیں تجویز کرنی پڑیں۔

شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل میں ہے۔ مترجم کہتا ہے حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین سے جڑ کو اُکھاڑ دیا، بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعتِ سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمانۂ رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طرق اس کی تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے پابند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت نے باطنِ شریعت کی تحصیل کی جس کو طریقت کہتے ہیں اور اس کے قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعتِ سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہ البتہ ضرور ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بسبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال

کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متأخرین کے کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی۔ جیسے صحابۂ کرامؓ کو قرآن اور حدیث کے فہم میں قواعد صرف اور نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہلِ عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں۔

اس کے حاشیہ پر جناب مولانا نواب قطب الدین خان دہلویؒ سے نقل کیا ہے کہ مثال اس کی ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے ہر چیز پڑھ سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہوگیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کیلئے۔ پس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کیلئے نہ تھی، فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا کہ اب چلّوں میں وہ نہیں حاصل ہوتا، اور اب چونکہ وہ آفتاب عالمتاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکۂ حضور کے حاصل کرنے کیلئے۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد مرشد قدس سرہٗ سے میں نے سُنا کہ اپنے طویل خواب کو ذکر کرتے تھے جس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور سید الاولیاء علی مرتضےٰؓ کو دیکھا تو فرمایا کہ مَیں نے علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہٗ سے پُوچھا اپنی نسبت سے کہ آیا یہ وہی نسبت ہے جو تم کو زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاصل تھی تو مجھ کو امر کیا نسبت میں استغراق کرنے کا اور خوب خوب تامل کیا پھر فرمایا یہ نسبت وہی ہے بلا فرق (اس واقعہ کو شاہ صاحبؒ نے درثمین صہ ۱۱ پر بھی تحریر فرمایا ہے) پھر معلوم کرنا چاہیئے کہ نسبت پر مداومت کرنیوالے کے حالات رفیع الشان نوبت بنوبت ہوتے ہیں گاہے کوئی اور

کبھی کوئی تو سالک ان حالاتِ رفیعہ کو غنیمت جانے اور معلوم کرے کہ حالاتِ مذکورہ طاعات کے قبول ہونے اور باطن نفس اور دل کے اندر اثر کرنے کی علامات ہیں منجملہ احوالِ رفیعہ کے مقدم رکھنا ہے طاعات الٰہی کا اس کے جمیع ماسوا پر اور اس پر غیرت کرنا، سو البتہ امام مالکؒ نے مؤطا میں عبد اللہ بن ابی بکر سے روایت کی کہ ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھتے تھے (حضرت ابوطلحہؓ کا قصّہ پہلے مفصل گذر چکا) آگے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ جس کا اس آیت میں اشارہ ہے فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ مشہور اور معلوم ہے۔ مترجم کہتا ہے قصہ مذکورہ مجملاً یوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بار گھوڑوں کے دیکھنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ آفتاب ڈوب گیا نماز عصر قضا ہوگئی تو فرمایا کہ گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹی جاویں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل کمال کے نزدیک طاعتِ حق ہر امر پر مقدم ہوتی ہے اگر احیاناً کسی چیز کی مشغولی نے طاعتِ حق میں خلل ڈالا تو غیرت اہلِ کمال اِس چیز کے دفع کرنے کو مقتضی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوطلحہؓ نے عمدہ باغ خیرات کر دیا اور حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کو مروا ڈالا۔ بیان القرآن میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے قصّہ میں فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ میں لکھا ہے کہ وہ قصّہ ان کا قابل یاد کرنے کے ہے جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصیل اور عمدہ گھوڑے جو بغرض جہاد وغیرہ رکھے جاتے تھے پیش کئے گئے اور اُن کے ملاحظہ کرنے میں اس قدر دیر ہوگئی کہ دن چھپ گیا اور کچھ معمول از قسم نماز فوت ہوگیا کذا فی الدر المنثور عن علیؓ اور بوجہ ہیبت اور جلالت کے کسی خادم کی جرأت نہ ہوئی کہ مطلع اور متنبہ کرے کذا فی الدر عن ابن عباسؓ پھر جب خود ہی تنبہ ہوا تو کہنے لگے

کہ افسوس میں اس مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے یعنی نماز سے غافل ہوگیا یہاں تک کہ آفتاب پردۂ مغرب میں چھپ گیا اور پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ، چنانچہ لائے گئے، سوانہوں نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا (کذا فی الدر مرفوعًا بسند حسن) یعنی اُن کو ذبح کر ڈالا۔ اس کو اصطلاح تصوف میں غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز سبب غفلت عن اللہ ہوجائے اس کو اپنے پاس نہ رہنے دیں۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں اور منجملہ حالات رفیعہ کے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اس طرح پر کہ اس کا اثر بدن اور جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔ حفاظ حدیث نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخصوں کو حق تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں رکھے گا۔ جن میں پانچواں شخص وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو خالی مکان میں یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگیں۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قبر پر کھڑے ہوئے تو اتنا روئے کہ ڈاڑھی تر ہوگئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب تہجد کی نماز پڑھتے تھے تو سینۂ مبارک سے جوش کی آواز آتی تھی دیگ کے جوش کرنے کی طرح یعنی رونے کی ایسی آواز آتی تھی سینۂ مبارک سے جیسے ہانڈی سَن سَن بولتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے کہ دوزخ میں نہ داخل ہوگا وہ مرد جو رویا اللہ تعالیٰ کے خوف سے یہاں تک کہ دودھ تھن میں واپس ہوجاوے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردِ کثیر البکاء تھے، آنکھیں نہ تھمتی تھیں آنسوؤں سے جبکہ قرآن پڑھتے تھے۔

اور جبیر بن مطعمؓ نے کہا کہ جب میں نے یہ آیت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنی اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ تو گویا میرا قلب اُڑ گیا خوف سے۔

قدماء اور متأخرین کے بکثرت اقوال اس امر پر متفق ہیں کہ یہ ریاضات ومجاہدات مقصود نہیں، اصل مقصد درجۂ احسان ہے اور اس کے حاصل کرنے کیلئے جس جس شخص میں جس جس مرض کا ظہور ہوتا رہا اُس کے مناسب علاج تجویز کرتے رہے اور ہر قوم کیلئے عادات، امراض مختلف ہوتے ہیں، اس کے مناسب مشائخ وقت علاج تجویز کرتے رہے۔ جب بدعات کا شیوع زیادہ ہوا تو مشائخ نے بیعت کے وقت میں بدعات سے بچنے کا لفظ بھی بڑھا دیا جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ بیعت میں کہیں سوال نہ کرنیکا اضافہ فرما دیتے کہیں نوحہ نہ کرنیکا اضافہ فرما دیتے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اصحاب کے حالات کے اعتبار سے مختلف احکام ارشاد فرمائے۔ مشکوٰۃ ص۱۲ میں حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ پھر میں کسی سے نہ پوچھوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کہہ اور اسی پر پکا رہ۔ (رواہ مسلم) دوسری جگہ ص۱۶ حضرت ابو امامہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیری برائی تجھے رنجیدہ کرے تو تو مؤمن ہے۔ اور حضرت عمرو بن عبسہؓ نے سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو فرمایا کہ اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَۃُ

(محشی نے سماحت کے مختلف معنی لکھے ہیں۔ واضح اور ظاہر معنی یہ ہیں کہ جو چیز نہ ہو اُس پر صبر اور جو چیز موجود ہو اُس کی سخاوت کرے) اسی حدیث میں ہے کہ اُنھوں نے پوچھا کہ افضل ایمان کیا ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اچھی عادتیں۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے یہی سوال کیا کہ افضل ایمان کیا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کیلئے محبت کرو اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھو اور اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رکھو۔

دوسری جگہ (ص ۱۹۸) عبداللہ بن بسرؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ حضور! اسلام کے احکام تو بہت ہیں مجھے ایک بات بتا دیجئے جسے میں مضبوط پکڑ لوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رکھو۔ دوسری جگہ (ص ۴۳۳) حضرت ابوھریرہؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کرنا، اُس نے بار بار یہی سوال کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہی جواب دیا۔ دوسری جگہ (ص ۴۴۵) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر سی نصیحت فرما دیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی نماز پڑھ جیسے یہی آخری نماز ہو، اور زبان سے ایسی بات نہ کر جس پر پھر معذرت کرنی پڑے۔ اور جو کچھ دوسروں کے پاس ہو اُس پر اُمید مت باندھ۔

غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی روایات میں مختلف اشخاص کے احوال کے اعتبار سے اُن کے مناسب جواب دیئے گئے ہیں، اسی طرح مشائخ سلوک بھی ہر شخص کے اعتبار سے یا ہر جگہ کے اعتبار سے بیعت کرتے وقت

مختلف الفاظ کا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

جن شہروں میں تعزیہ بنانے کا رواج ہے وہاں مشائخ سلوک نے تعزیہ بنانے سے بھی توبہ کا لفظ شامل کر دیا، علاج ظاہری میں بعض لوگوں کے مناسب گرم دوائیں ہوتی ہیں۔ بعض شہروں اور لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ٹھنڈی دوائیں مناسب ہوتی ہیں۔ ایک ہی مرض کے دو مریض آتے ہیں اور طبیب حاذق دو نسخے مختلف تجویز کرتا ہے اور غرض ایک ہی ہوتی ہے یعنی مریض کی صحت۔ اسی طرح سے یونانی ڈاکٹری ہومیوپیتھک وغیرہ کے علاج مختلف ہوتے ہیں اور مقصود سب کا ازالۂ مرض ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح سے مشائخ سلوک میں چشتیہ نقشبندیہ وغیرہ حضرات کے احوال مختلف ہیں کہ وہ اپنے تجربات کے موافق علاج تجویز کرتے ہیں۔

اور جبکہ یہ ریاضات مجاہدات سب کے سب امراض کے علاج ہیں تو یہ مطالبہ کرنا کہ فلاں طریق قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے، ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی طبیب سے پوچھا جائے کہ گل بنفشہ زکام میں دینا کس حدیث سے ثابت ہے۔ ایسے ہی کسی ڈاکٹر سے پوچھا جائے کہ پنسلین کونسی آیت سے ثابت ہے اور کونین کونسی حدیث سے ثابت ہے۔ جب یہ طے ہو گیا کہ یہ شخص بیمار ہے تو اس کے علاج کیلئے طبیب یا ڈاکٹر جو تجویز کریگا اُس کا علاج ضروری ہوگا، بلکہ امراضِ ظاہریہ کی بعض صورتوں میں تو بعض علماء کے نزدیک ناجائز چیز کا استعمال بھی جائز ہے جب حاذق متدین طبیب یا ڈاکٹر کہدے کہ اس مرض کیلئے اس کے سوا کوئی علاج نہیں۔ بلکہ اگر لقمہ اٹکا ہوا ہو اور کوئی چیز پینے کی نہ ہو سوائے شراب کے تو اسی سے نگلنا واجب ہے۔ یہی حال بعینہٖ امراضِ روحانیہ کا ہے کہ ان امراض کیلئے روحانی اطباء جو دوائیں تجویز کریں اُس پر یہ سوال کہ قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے حماقت نہیں تو اور

کیا ہے ۔ جو لوگ ان کو بدعت کہتے ہیں وہ بدعت کی تعریف سے واقف نہیں۔ بدعت احداث فی الدین کا نام ہے احداث للدین کا نام نہیں۔ جو لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے وہ دین سے ناواقف ہیں۔ احداث للدین بسا اوقات ضروری بلکہ واجب تک ہو جاتا ہے، جیسا کہ جہاد کے آلات کہ پہلے تیر تلوار کافی تھے مگر اب ان پر اکتفا کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ بندوق، توپ، ٹینک بلکہ اٹیمی آلات تک ضروری ہو گئے ہیں۔

حضرت مجدد صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے ایک مکتوب میں جس کو تجلیات ربانی ص۹۴ پر نقل کیا ہے تحریر فرماتے ہیں :۔

"آپ نے اپنے پیر و دستگیر (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی نسبت خاصہ کی عدم واقفیت کے بارے میں لکھا تھا اور اس کا سبب دریافت کیا تھا۔ مخدوما! اس قسم کی باتیں بطریق تحریر بلکہ تقریر میں بھی مناسب نہیں ہیں، معلوم نہیں کسی کی سمجھ میں کیا آئے اور اس سے کیا نتیجہ نکالے۔ اس کیلئے حضور بشرط حسن ظن اور طول صحبت درکار ہے جس طور پر ہو مگر اس وجہ سے کہ کسی سوال کا جواب بھی کچھ نہ کچھ چاہیئے اسقدر لکھتا ہوں کہ ہر مقام کے علوم و معارف جداگانہ ہیں اور احوال و مواجید علیٰحدہ ہیں کسی مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہے، کسی مقام میں تلاوت و نماز، کوئی مقام مخصوص بجذب ہے اور کوئی مخصوص بسلوک، کوئی مقام ایسا ہی کہ ان ہر دو دولتوں (جذب و سلوک) سے مرکب ہے۔ ایک مقام وہ بھی ہے کہ جذب و سلوک سے جدا ہے، نہ جذب کو اس سے تعلق نہ سلوک

کو۔ یہ مقام بہت ہی نادر ہے، اصحاب آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کے ساتھ ممتاز اور اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہیں۔ اس مقام کے حضرات کو امتیاز تام حاصل ہوتا ہے۔ ارباب مقامات دیگر سے کم تر مشابہت رکھتے ہیں بخلاف اصحاب مقامات دیگر کہ وہ بایکدیگر مشابہت رکھتے ہیں اگر چہ کسی حیثیت سے ہو۔ مشائخ سلاسل میں سے بہت کم حضرات نے اس مقام کی خبر دی ہے پھر بھلا اس کے معارف کا بیان کیونکر کیا جائے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ○ اصحاب کرام کو یہ نسبت عزیز الوجود اول قدم میں ظاہر ہوتی تھی اور درجہ کمال کو پہنچتی تھی۔ دوسرے کو اگر اس دولت سے (قضا و قدر) مشرف کریں اور اصحاب کرام کی نسبت کے مطابق تربیت دیں تو وہ جذب سلوک کے منازل قطع کرنے اور علوم و معارف کے طے کرنے کے بعد اس دولت عظمیٰ سے سعادت یاب ہوگا۔ اس نسبت مخصوص کا ابتداء میں ظاہر ہونا مخصوص ہے برکت صحبت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے کسی کو اس برکت سے مشرف کر دیا جائے اور اس کی صحبت بھی ابتداء میں اس نسبت علیہ کے ظہور کا سبب ہو جائے ۔ ؎

ومن بعد ھذا ما یدق صفاتہ
وما کتمہ احظی لدیہ واجمل

(اس کے بعد وہ باتیں ہیں جن کا بیان دقیق ہے اور جن کا پوشیدہ

رکھنا زیادہ اچھا اور بہتر ہے)۔" (تجلیات ربانی)

جیسا کہ امراض ظاہرہ کیلئے کسی طبیب کی ضرورت ہے اور کوئی شخص طب کی کتابیں دیکھ کر اپنا علاج نہیں کر سکتا اسی طرح امراض روحانیہ کیلئے طبیب کی ضرورت ہے۔ اور جیسا ظاہر شریعت میں مجتہدین بہت ہوئے ایسے ہی طریقت میں بھی مشائخ سلوک، اکابر سلوک بہت سے ہوئے مگر جیسا ظاہر شریعت میں ائمہ اربعہ پر انحصار ہوگیا بہت سے وجوہ کی بنا پر ایسے ہی ایسے ہی امراضِ باطنیہ کے معالج مشائخ بھی ہمارے اطراف میں چار سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ شائع ہوئے۔

شیخ کی ضرورت اور اس کے شرائط

اس کے متعلق حضرت تھانوی رحؒ نے التکشف ص۱۲۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ جاننا چاہیئے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کیلئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح اور تندرست ہو مریض نہ ہو اور دوسروں کے علاج بھی کر سکے کیونکہ اگر مریض ہے تو مسئلہ طبیہ ہے کہ رأی العلیل علیل گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتماد نہیں اور اگر وہ صحیح اور تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو خود اچھا ہے۔ اسی طرح مرض باطنی کے علاج کیلئے ایسے شخص و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی اور صالح ہو، بتدع اور فاسق نہ ہو، اور دوسروں کی بھی تکمیل کر سکے کیونکہ اگر بد عقیدہ و بد عمل ہے تو اوّلاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ خیر خواہی سے تعلیم کریگا، بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنا جیسا بنانے کی کوشش کریگا اور عمل میں اس کو اس لئے نصیحت نہ کریگا کہ خود اس کا عامل نہیں۔ یہی خیال ہوگا کہ اگر نصیحت کرونگا یہ شخص اپنے دل میں کیا کہیگا۔ بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کیلئے اپنی بد عملی کو تاویل سے درست کرنا چاہے گا۔ تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ثانیاً اس کی تعلیم میں انوار اور برکات و تاثیر و امدادِ غیبی نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر متقی اور صالح تو ہو مگر تربیت باطنی کا طریقہ نہ جانتا ہو تو وہ بھی طالب کی رفع ضرورت نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح طبیب ظاہری کا طبیب ہونا ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ طب پڑھا ہو، کسی طبیب کامل کے پاس مدت معتدبہ تک مطب کیا ہو، سمجھدار لوگ اس کی

طرف رجوع کرتے ہوں، اسکے ہاتھ سے لوگ شفایاب بھی ہوتے ہوں۔ اسی طرح طبیب باطنی یعنی شیخ کے شیخِ معتبر ہونے کی علامات یہ ہیں کہ کسی کامِل کی خدمت میں ایک مُدت تک مستفید ہوا ہو، اہلِ علم واہلِ فہم اُس کو اچھا سمجھتے ہوں۔ اور اس کی طرف رُجوع کرتے ہوں، اُس کی صحبت سے محبتِ الٰہی کی زیادتی اور محبتِ دنیا کی کمی قلب میں محسُوس ہوتی ہو، اس کے پاس رہنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ یہ شخص اِس قابل ہے کہ اس کو شیخ بنادے اور اس کو اکسیرِ اعظم سمجھے اور اس کی زیارت وخدمت کو کبریت احمر جانے۔ پس مجموعہ ان صفات کا جو شیخ کامل میں ہونا چاہئیں یہ ہے۔

متقی وصَالح ہو، متبع سُنّت ہو، علمِ دین بقدرِ ضرورت جانتا ہو، کسی کامل کی خدمت میں رہ کر فائدہٗ باطنی حاصل کیا ہو، عقلاء اور علماء اس کی طرف مائل ہوں، اس کی صحبت مؤثر ہو، اس سے مریدوں کی حالت کی اصلاح ہوتی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قول جمیل میں مرشد کی شرائط اور بھی سخت لکھی ہیں جن کا خلاصہ شفاء العلیل سے لکھا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے:-

بیعت لینے والے میں یعنی پیرومرشد میں چند امور شرط ہیں۔ شرط اوّل علم قرآن اور حدیث کا، اور میری یہ مُراد نہیں کہ پلّے سرے کا مرتبہ علم کا مشروط ہے، بلکہ قرآن میں اتنا علم ہونا کافی ہے کہ تفسیر مدارک یا جلالین یا ان کے سوا کوئی مختصر یا مفصّل تفسیر محفوظ کرچکا ہو اور کسی عالم سے اُس کو تحقیق کرلیا ہو۔ اور علمِ حدیث اتنا کافی ہے کہ ضبط اور تحقیق کرچکا ہو، مانند کتاب مصابیح یا مشارق کے، اور فقہائے دین کی رائے معلوم کرچکا ہو۔ مترجم کہتے ہیں کہ یہ شرط اس لئے لگائی کہ

چاروں اماموں کی مخالفت میں ضلالت صریح ہے، یعنی اس نے ترک اجماع کیا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پیری مریدی کے واسطے اتنا علم بھی قرآن و حدیث کا کافی ہے۔

آگے شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مرشد کے عالم ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ غرض بیعت سے مرید کو امر کرنا ہے مشروعات کا اور روکنا اس کو خلاف شرع سے اور اس کی رہنمائی طرف تسکین باطنی کے اور دُور کرنا بُری عادتوں کا اور حاصل کرنا صفاتِ حمیدہ کا۔ پھر مرید کا عمل میں لانا اُس کو جمیع امور مذکورہ میں۔ سو جو شخص عالِم اور واقف ان امور سے نہیں ہوگا اُس سے یہ کیونکر متصور ہوگا۔

مترجم فرماتے ہیں سُبحان اللہ کیا معاملہ بالعکس ہوگیا ہے، فقراءِ جہان کو اِس وقت یہ خبط سمایا ہے کہ پیری مُریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں، بلکہ علم درویشی کو مضر ہے، اِس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور۔ حالانکہ صوفیاءِ قدیم کی کتب اور ملفوظات میں مثل قوت القلوب اور عوارف اور احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت عبدالقادر جیلانیؒ میں صاف مصرح ہے کہ علمِ شریعت شرط ہے طریق اور تصوّف کی۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح وشام مثل قرآن اور درود کے ذکر کیا کرتے ہیں اُن کے کلام سے بھی غافل ہیں۔

مولانا نواب قطب الدین خان صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ کتاب طریقِ محمدی میں لکھا ہے کہ سردارِ جماعتِ صوفیاءِ کرام اور امامِ اربابِ طریقت حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے نہ یاد کیا قرآن اور نہ لکھی حدیث نہ پیروی کیجاوے اُس کی اِس امر تصوف میں۔ اس لئے کہ علم ہمارا اور یہ مذہب ہمارا مقید ہے ساتھ

کتاب و سُنّت کے۔ اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ جس طریقت کو رد کرے شریعت پس وہ نرا کفر ہے۔

اور فرمایا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تصوّف نام ہے تین چیزوں کا۔ ایک تو یہ کہ نہ بجھاوے اس کا نورِ معرفت نورِ تقویٰ کو۔ دوسرا نہ کلام کرے علمِ باطن کے ساتھ اس طرح کہ نقض کرے اسے ظاہر کتاب اللہ۔ تیسرے یہ کہ اُس کی کرامات کی وجہ سے اللہ کے محارم کی بے حرمتی ہوتی ہو۔" اور بہت سے اقوال بزرگانِ دین کے جامع جامع التفاسیر میں منقول ہیں۔

آگے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مرشد ایسا ہو کہ جس نے متّقی علماء کی بہت مدّت تک صحبت اختیار کی ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور حلال اور حرام کی تحقیق کرنے والا ہو اور قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی کو سُن کر ڈر جاتا ہو اور اپنے اقوال و افعال و حالات کو کتاب و سُنّت کے موافق کرلیتا ہو تو امید ہے کہ اس قدر معلومات بھی اس کیلئے کافی ہوں۔ درصورت عدم علم (یعنی باقاعدہ عالِم نہ ہونے کی صورت میں) اور مرشد کیلئے دوسری شرط عدالت اور تقویٰ ہے۔ تو واجب ہے کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ مرشد کا اس واسطے شرط ہوا کہ بیعت مشروع ہے صفائے باطن کیلئے۔ انسان مجبور ہے اپنے ہم جنسوں کی اقتدا افعال پر اور صفائے باطن میں۔ فقط قول بدون عمل کافی نہیں۔ سو جو مرشد کہ اعمالِ خیر سے متصف نہ ہو، فقط زبانی تقریر ہی پر کفایت کرتا ہو تو وہ شخص حکمتِ بیعت کا رہزن ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ تارکِ دنیا ہو اور آخرت کا راغب ہو۔ محافظ ہو طاعات مؤکدہ کا

اور اذکارِ منقولہ کا جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں ہمیشہ تعلق دل کا اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہو اور یادداشت کی مشق کامل اس کو حاصل ہو۔

• چوتھی شرط یہ ہے کہ مرشد مشروع کا امر کرتا ہو، خلاف شرع سے روکتا ہو، جو مستقل ہو اپنی رائے پر نہ کہ مردِ ہرجائی۔ اور صاحب عقل کامل ہو تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مرشدِ کامل کی صحبت میں رہا ہو اور اُن سے ادب سیکھا ہو زمانۂ دراز تک۔ اور ان سے باطن کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو۔ اور یہ یعنی صحبتِ کاملین اس واسطے مشروط ہوئی کہ عادتِ الٰہی یوں جاری ہوتی ہے کہ مراد نہیں ملتی جب تک مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے اور اسی قیاس پر ہیں اور پیشے، جیسے لوہاری بدون صحبتِ لوہار یا نجّاری بدون صحبتِ نجار کے نہیں آتی۔ اور شرط نہیں اس میں یعنی بیعت لینے میں ظہور کرامات اور خوارق عادات کا اور نہ ترک پیشہ وری کا۔ اس واسطے کہ ظہورِ کرامات اور خوارق عادات ثمرہ ہے مجاہدات اور ریاضت کشی کا نہ شرط ہے کمال کی اور ترک اکتساب مخالف شرع ہے۔ اور دھوکہ نہ کھاؤ اس سے جو درویش مغلوب الاحوال کرتے ہیں یعنی جو صاحب حال بسبب غلبۂ حال کے کسبِ حلال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں اُن کے فعل کو دلیل نہ پکڑنا ترکِ کسب پر۔ منقول تو یہی ہے کہ تھوڑے پر قناعت کرنا اور شبہات سے پرہیز کرنا یعنی مال مشتبہ اور پیشہ مکرو اور مشتبہ سے بچنا ضروری ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کہ مرشد کیلئے یہ شرط نہیں کہ کمال ترہب اختیار کرے یعنی عباداتِ شاقہ اپنے اوپر لازم کرے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات جاگنا، عورتوں سے علیٰحدگی اختیار کرنا، طعام لذیذ نہ

کھانا، جنگل یا پہاڑوں پر رہنا جیساکہ ہمارے زمانہ کے عوام اس کو کمال کی شرط سمجھتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ امور تشدد فی الدین اور تشدد علی النفس میں داخل ہیں۔ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت نہ پکڑو اپنی جانوں کو کہ اللہ تعالیٰ تم کو سخت پکڑیگا اور فرمایا کہ رہبانیت اسلام میں جائز نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو شرائط لکھی ہیں وہ زیادہ سخت ہیں اور حضرت حکیم الاُمتؒ نے جو شرائط لکھی ہیں وہ نرم ہیں۔ شاہ صاحبؒ سے پہلے اکابر نے ان سے بھی زیادہ مجاہدات اور ریاضات کرائی ہیں اس کے بعد خرقہ عنایت فرمایا، جیساکہ بہت سے وقائع اکابر کے اس سلسلہ کے تواریخ میں معروف ہیں۔ شاہ ابوسعید صاحبؒ گنگوہی کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ میرے کئی رسائل میں بھی آچکا ہے۔ مختصرًا یہ ہے کہ بیعت کیلئے شاہ نظام الدینؒ بلخی کی خدمت میں گئے۔ اور شاہ صاحب کو جب اطلاع ہوئی تو صاجنزادہ کے استقبال کیلئے ایک منزل تک آئے اور وہاں پہنچکر بہت زیادہ اعزاز و اکرام کے ساتھ لیکر بلخ پہنچے وہاں پہنچکر ان کو مسند پر بٹھایا اور خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔ آخر جب شاہ ابوسعیدؒ نے واپسی کی اجازت چاہی تو شاہ صاحبؒ نے بہت سی اشرفیاں نذر کیں۔ اس وقت شاہ ابوسعیدؒ نے عرض کیا کہ حضرت اِس دنیاوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کیلئے میں یہاں آیا، مجھے تو وہ دولت چاہیئے جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں۔ بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدینؒ آنکھ بدل گئے اور جھڑک کر کہا کہ جاکر طویلہ میں بیٹھو اور شکاری کُتّوں کے دانہ راتب کی خبر رکھو۔ غرض یہ کہ طویلہ میں شکاری کتے اُن کی تحویل میں دیئے گئے کہ روز نہلائیں دُھلائیں اور صاف سُتھرا رکھیں۔ کبھی حمام جھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے

پر سوار ہوتے اور یہ کُتّوں کی زنجیر تھام کر ہمراہ چلتے۔ آدمی سے کہدیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اس کی جَو کی دُو روٹیاں دونوں وقت گھر سے لا دیا کرو۔ اب شاہ ابوسعید صاحب جب کبھی حاضرِ خدمت ہوتے تو شیخ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد حضرت شیخ نے ایک روز بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کرکے لیجائے تو اس دیوانے کے پاس سے گذریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا کہ پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابوسعید پر پڑی۔ شاہ ابوسعید کا چہرہ غصّہ سے لال ہوگیا اور فرمایا نہ ہوا گنگوہ۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے سُنایا، حضرت نے فرمایا ہاں ابھی بُو ہے صاجزادگی کی۔ پھر دو ماہ تک خبر نہ لی۔ اسکے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصدًا کچھ غلاظت شاہ ابوسعید پر ڈالکر سُنے کہ جواب کیا ملتا ہے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی، اس مرتبہ شاہ ابوسعید نے کچھ کلمہ زبان سے نہ نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گردن جُھکا کر خاموش ہورہے۔ بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھکر چُپ ہورہے۔ حضرت نے فرمایا ابھی کچھ بُو باقی ہے۔ پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ اس مرتبہ گوبر کا بھرا ہو ٹوکرا اس پر پھینک ہی دیجیو کہ پاؤں تک بھر جائیں، چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابوسعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا۔ اس لئے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی، کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔ یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اُٹھا کر ٹوکرے میں ڈالنی شروع کی کہ لاؤ میں بھر دوں۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے

آکر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ اُلٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر مرے ٹوکرے میں ڈال دی۔ شیخ نے فرمایا بس اب کام ہو گیا۔ اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتّوں کو تیار کر کے ہمراہ چلنا۔ شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے۔ شاہ ابوسعید کتّوں کی زنجیر تھامے پابرکاب ہوئے۔ کتّے تھے زبردست شکاری کھاتے پیتے توانا، اور ابوسعید بیچارے سوکھے بدن کمزور۔ اس لئے کُتّے ان سے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے۔ آخر انہوں نے زنجیر کمر سے باندھ لی۔ شکار جو نظر پڑا تو کُتّے اُس پر لپکے۔ اب شاہ ابوسعید بیچارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے اور کُتّے اُن کو کھینچے کھینچے چلے جا رہے تھے۔ کہیں اینٹ لگی کہیں کنکر چبھی بدن سارا لہو لہان ہو گیا مگر انہوں نے اُف نہ کی جب دوسرے خادم نے کُتّوں کو روکا اور اُن کو اُٹھایا تو یہ تھر تھر کانپے کہ حضرت خفا ہوں گے اور فرمائیں گے کہ حکم کی تعمیل نہ کی، کُتّوں کو روکا کیوں نہیں۔ شیخ کو تو امتحان مقصود تھا سو ہو لیا۔ اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبد القدوسؒ کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں نظام الدین مَیں نے تم سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی۔ صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدینؒ نے شاہ ابوسعیدؒ کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا کہ خاندان چشتیہ کا فیضان مَیں ہندوستان سے لیکر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لئے جاتے ہو۔ مبارک ہو وطن جاؤ۔ غرض مجازِ حقیقت بنا کر ہندوستان واپس کیا۔ قصّہ تو بہت طویل ہے، میں نے مختصر لکھوایا۔ اور اس قسم کے بہت سے مجاہدات اس دَور کے کتبِ تاریخ میں معروف ہیں مگر چونکہ زمانہ قوٰی جسمانیہ کے اعتبار سے بھی اور قوتِ ایمانیہ کے اعتبار سے بھی انحطاط

پر ہے اس لئے حضرت تھانویؒ کے بعد کے لوگوں نے اور بھی نرمی شروع کر دی۔

حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پاک ارشاد صحابہ کرامؓ سے ہے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر مامور بہ کا دسواں حصّہ بھی کوئی چھوڑ دے تو ہلاک ہو جائے لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ مامور بہ کا دسواں حصّہ بھی کوئی کرے تو نجات پالے۔ (مشکوٰۃ ص۳۱)

صاحب مرقاۃ نے مامور بہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مراد لیا ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ مامورات کو شامل ہے اور نقصان سے مراد خشوع اور احسان کا نقصان ہے۔ ابوداؤد میں حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اُس کیلئے اُس کا دسواں حصّہ ثواب کا لکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعضوں کیلئے آدھا لکھا جاتا ہے۔ یہ نقصان خشوع اور خضوع کا ہے۔ چونکہ دن بدن ضعف کا زمانہ بڑھتا رہتا ہے۔ ایمان کے اعتبار سے بھی اور قوٰی کے اعتبار سے بھی اس لئے مشائخ مجاہدات اور ریاضات میں بھی کمی کرتے جا رہے ہیں اور شرائطِ شیخ میں بھی ڈھیلا پن کرتے جا رہے ہیں۔ مضمون تو بہت طویل ہے اور لکھوانے کو جی چاہ رہا ہے مگر پڑھیگا کون۔ اس لئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ البتہ علی میاں نے صوفی اقبال کے رسالے "اکابر کا سلوک و احسان" کے شروع میں جو تمہید لکھی ہے وہ بھی بہت جامع ہے۔ اس لئے اس بحث کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:-

"مذاہب، اخلاقیات، تعلیم و تربیت، اصلاح و تجدید، علوم و فنون سب کی تاریخ میں دو مرحلے بڑے سخت پیش آتے ہیں، اور ان سے ان میں سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ ایک جبکہ وسائل

مقاصد بن جاتے ہیں، اور دوسرے جب اصطلاحات حقائق کیلئے حجاب ہوجاتے ہیں۔ وسائل اور اصطلاحات دونوں نہایت ضروری اور بالکل قدرتی اور طبعی چیزیں ہیں جن کے بغیر ان مقاصد عالیہ کی تبلیغ و توسیع اور تشریح و تفہیم عام طور پر ممکن نہیں ہوتی لیکن وسائل ہوں یا اصطلاحات مقاصد و حقائق کیلئے ان کا درجہ خادم و معاون کا ہے۔ ان کو وقتی طور پہ ایک ضرورت کی تکمیل کیلئے اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان پر مقاصد و حقائق ہی کی طرح زور دیا جاتا ہے اور ان کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر فن کا مجتہد جب ضروری سمجھتا ہے ان سے نہ صرف استغناء اختیار کرتا ہے بلکہ بعض اوقات بطور علاج ان کے ترک کا بھی حکم دیتا ہے اور وہ ان کا محکوم ہونے کی بجائے ان کا حاکم ہوتا ہے۔ وہ اس کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ وہ اس تناسب سے آگے نہ بڑھنے پائیں کہ بجائے مفید ہونیکے مضر اور موصل الی المطلوب ہونے کے بجائے سدِ راہ اور طریق کے راہزن ثابت ہوں۔ لیکن اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئیے کہ ان مقاصدِ عالیہ کو یہ ابتلا بار بار پیش آیا ہے کہ وسائل مقاصد بن گئے ہیں اور اصطلاحات نے حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈالدیئے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے بلکہ ان سے ان تلخ تجربوں اور غلطیوں کی بناء پر جو ان اصطلاحات کے علمبرداروں سے سرزد ہوئیں، ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ حق جو اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو ان مقاصد اور حقائق

ہی سے ایسی وحشت اور بیزاری پیدا ہوگئی کہ ان کو ان مقاصد کے حصول اور تکمیل اور ان حقائق کے قدر و اعتراف پر آمادہ کرنا ایک نہایت دشوار کام بن گیا جب ان کے سامنے ان مقاصد کی تحصیل کی ضرورت پر تقریر کی جاتی یا ان کو ان کے بارے میں مطمئن کرنیکی کوشش کی جاتی تو وسائل کے وہ پہاڑ اُن کے سامنے آکر کھڑے ہوجاتے جن کے بارے میں خام اور غیر محقق داعیوں نے سخت مبالغہ اور غلو سے کام لیا تھا۔ اور ہر شخص سے ان کے بارے میں بیجا اصرار کیا تھا اور وہ ان ہی میں اس طرح اُلجھ کر رہ گئے تھے کہ مقصد ہی بالکل فراموش اور نظر انداز ہوگیا تھا۔ اسی طرح جب ان حقائق کی دعوت دی گئی جن کے بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں اور جو بدیہیات میں داخل ہیں تو وہ اصطلاحات ان کیلئے حجاب بن گئیں جن کے بارے میں نہ صرف یہ کہ اختلاف کی گنجائش تھی بلکہ وہ خاص ماحول مخصوص حالات اور عام طور پر بہت بعد کے زمانے میں ان حقائق کو ذہن کے قریب کرنے کیلئے اور خاص مصالح کے تحت وضع کئے گئے تھے ان حقائق کے ابتدائی علمبردار اور جن کی زندگی ان حقائق کی سچی تصویر تھی ان اصطلاحات سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے ان حقائق کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کیلئے دوسرے ہی الفاظ، طریقے اور اسالیب استعمال کئے تھے صرف نحو، قواعد، زبان، علوم و بلاغت سے لیکر حقیقت و معرفت اصلاحِ باطن تزکیۂ نفس تک جس کی تاریخ دیکھی جائے اور اس فن

کے متقدمین و متأخرین کا مقابلہ کیا جائے یہ حقیقت سب جگہ نظر
آئے گی کہ متقدمین وسائل پر حاکم متاخرین ان کے محکوم، محققین حقائق
کے داعی و مبلغ اور غیر محقق پیرو اصطلاحات کے پرستار اور ان
کے اسیر و گرفتار ہیں۔ یہ مقاصدِ عالیہ دینیات اور اخلاقیات
اور علوم و فنون کا ایک ایسا المیہ ان کے طالبین کے لئے امتحان
و آزمائش کا ایسا مرحلہ ہے جو ہر دَور میں پیش آیا ہے۔ تصوّف
کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جہاں تک اس کے مقصد و حقیقت
کا تعلق ہے وہ ایک متفق علیہ اور بدیہی حقیقت ہے لیکن اس کو
ان ہی دو چیزوں نے نقصان پہنچایا کہ ایک وسائل کے بارے میں غلو
اور افراط سے کام لینا دوسرے اصطلاح پر غیر ضروری حد تک
زور دینا اور اس پر بیجا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاص
و اخلاق ضروری ہیں یا نہیں؟ یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا
نہیں؟ فضائل سے آراستہ ہونا اور رزائل سے پاک ہونا، حسد،
کبر، ریا، بغض اور کینہ حبِ مال اور حبِ جاہ اور دوسرے
اخلاقِ ذمیمہ سے نجات پانا۔ نفس امارہ کی شدید گرفت سے خلاصی
پانا کسی درجہ میں ضروری یا مستحسن ہے یا نہیں؟ نماز میں خشوع و
خضوع، دعا میں تضرع و ابتہال کی کیفیت، محاسبہ نفس کی
عادت اور سب سے بڑھکر اللہ و رسولؐ کی محبت، حسی حلاوت و لذت
کا حصول یا کم از کم اس پر شوق و اہتمام، صفائی معاملات، صدق
و امانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکر، نفس پر قابو رکھنا،

غصہ میں آپے سے باہر نہ ہو جانا کسی درجہ میں مطلوب ہے، یا نہیں
تو ہر سلیم الفطرت انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی
آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے یہی جواب دیگا
کہ یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن
اور حدیث کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوئے ہیں
لیکن اگر کہا جائے کہ ان ہی صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریق
عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوّف کے نام سے پکارا
جانے لگا تو اسکے سنتے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑجائیگی
اس لئے کہ اس اصطلاح سے ان کو وحشت اور اس کے بعض برخود
علمبرداروں اور دعویداروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں،
ان کے حافظہ میں اس وقت وہ واقعات ابھر آتے ہیں جو ان کو معاملہ
کرنے پر یا ان کو قریب سے دیکھنے پر ان کے ساتھ پیش آئے، لیکن یہ صرف
تصوّف ہی نہیں ہر علم و فن، ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد
کا حال ہے کہ اس کے حاملین و عاملین میں اور اس کے داعیوں
اور دعویداروں میں اصلی و مصنوعی محقق و غیر محقق پختہ و خام یہانتک
کہ صادق و منافق پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نمونوں کی موجودگی
سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے
اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا۔ دنیاوی شعبوں کا حال بھی یہی ہے
کہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت یا ہنر، ہر ایک میں کامل و ناقص
اور رہبر و رہزن دونوں پائے جاتے ہیں۔ لیکن دین و دنیا کا نظام

اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدعیوں کی وجہ سے اس دولت سے محرومی اور اس مقصد سے دست برداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے:۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

تصوّف کے سلسلہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں ایک وہ جو تمام اجزاء کو علیٰحدہ علیٰحدہ تسلیم کرتا ہے لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام دیدیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے۔ ہم نے اوپر جن مقاصد اور صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ تسلیم ہیں، لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام تصوّف رکھدیا ہے تو فوراً ان کی تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تصوّف کو نہیں مانتے اور تصوف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اس حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے تو اس کو قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علماء متأخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقہ باطن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ سب چیزیں منصوص ہیں واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی

ہے اور نہ زبان خلق کو جو نقارۂ خدا کہی گئی ہے روکا جا سکتا ہے ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ و احسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوّف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے۔ لیکن اب اس کا معروف نام یہی پڑ گیا ہے اور یہ کسی فن کی خصوصیت نہیں۔ علوم و فنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مروجہ اصطلاحات سے پُر ہیں۔ محققین فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا اور وسائل کو وسائل ہی کی حد تک رکھا۔ اسی طرح انہوں نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح و مغز اور اصل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے منافی اور اکثر اوقات ان کیلئے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا کہ اس فن کے داعیوں، معلموں اور اہلِ تحقیق نے مغز و پوست، حقائق و اشکال اور مقاصد و رسوم میں فرق نہ کیا ہو۔ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لے کر مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب نے قشر و لباب مقصود و غیر مقصود میں پُوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسوم و عادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہو گئی تھیں اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزء سمجھ لیا گیا تھا۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب ہو یا غنیۃ الطالبین یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، حضرت مجدد صاحبؒ کی مکتوبات امام ربانی ہو یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراط مستقیم، حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات یا مولانا تھانویؒ کی تربیت السالک قصد السبیل۔ ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا۔ اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تعلق ہے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ نسبت صوفیہ، کبریت احمر است و رسوم ایشان ہیچ نیرزد (صوفیہ کرام کی نسبتِ باطنی تو نعمتِ عظمیٰ ہے لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں) کوئی قیمت نہیں رکھتے) اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق و معاملات، حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کیلئے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔ ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو دیکھکر تصوف کے قائل اور معتقد ہوئے ان میں ہم نے تصوف اور طریقت ہی کا نہیں، دین و شریعت کا لُبِّ لُباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبویؐ کا پرتو، ان کے معاملات اور اعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اُس کی ترازو میں تُلی ہوئی دیکھی، ان کو

ہمیشہ مقاصد و وسائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اور اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا، رسوم سے بے پرواہ و بیگانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا، ان کے اتباع سنت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع اور محیط پایا، وہ اس فن کے مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے جو اپنی خداداد بصیرت، طویل تجربہ سے اس فن میں کبھی اختصار سے کبھی انتخاب سے اور کبھی حذف و ترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے اور معالجہ فرماتے اور علاج و پرہیز میں طبائع و مشاغل و حالات کا پورا لحاظ رکھتے۔ ان کی شان اس کے بارے میں مجتہد فن اطباء و واضعین فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے اصل مقصود فائدہ اور مریض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور دیئے ہوئے سبق کا دوہرا دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبطِ نفس اور ایثار، انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضائے الٰہی کی طلب تصوف کا اصل مقصود اور اذکار و مجاہدات، صحبتِ شیخ حتیٰ کہ بیعت و ارادت کا اصلی فائدہ ہے اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے مرادف ہے اور اس شعر کے مصداق ؎

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است
حاصل خواجہ بجز پندار نیست   فقط"

علی میاں نے تصوف کے متعلق جو کچھ لکھا وہ بالکل صحیح لکھا اور بہت سے اکابر یہی لکھتے چلے آئے کہ اصل میں ان مسمیات سے تو کسی کو انکار نہیں صرف نام میں جھگڑا ہے۔

تصوّف کے نام سے لوگ بدکتے ہیں بعضے ناواقفیت کی وجہ سے اور بعض اس وجہ سے کہ ان کے ذہن میں عوارض کی وجہ سے تصوّف کا غلط مفہوم بیٹھا ہوا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فتاوٰی کی گیارھویں جلد میں جو ساری تصوف ہی کے بارے میں ہے، لکھتے ہیں کہ لفظ صوفیاء قرون ثلٰثہ میں معروف نہیں تھا اس کے بعد اس کی شہرت ہوئی اور یہ لفظ بہت سے ائمہ اور شیوخ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جیسے امام احمد بن حنبلؒ اور ابوسلیمان دارانیؒ اور سفیان ثوریؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے اور حسن بصریؒ سے بھی۔ اس میں علماء میں اختلاف ہے کہ یہ کس طرف منسوب ہے، یعنی اس کے اشتقاق میں کہ کس سے لیا گیا ہے۔ بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ صوف پہننے کی طرف منسوب ہے۔ صوفیاء کی جماعت سب سے پہلے بصرہ سے ظاہر ہوئی اور سب سے پہلے جس نے خانقاہ بنائی عبدالواحد بن زید کے مریدین......... اور عبدالواحد بن زید حسن بصری کے خلفاء میں تھے اور اس زمانہ میں بصرہ میں سب جگہوں سے زیادہ زہد، عبادت اور خوفِ خداوندی میں اہتمام پایا جاتا تھا اور اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور تھا کہ فقہ کوفی ہے اور عبادت بصری ہے۔ پھر عباد اہلِ بصرہ کے متعدد قصے لکھے جن میں قرآن پڑھنے سے بعض پر غشی طاری ہوجانا اور بعضوں کا مرجانا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر اس زمانہ کے بعض اکابر نے انکار

بھی کیا بعضوں نے تو اس وجہ سے کہ اس کو تکلف سمجھا اور بعضوں نے اس وجہ سے کہ صحابہؓ کے دور میں یہ چیز نہیں پائی گئی۔ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ مغلوب الحال تھا تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی اگرچہ جو اپنے حال پر ثابت رہے وہ اس سے افضل ہے۔ حضرت امام احمدؒ سے غشی اور وجد وغیرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ یحیٰی بن سعید قطان پر ایک دفعہ قرآن پڑھا گیا تو ان پر غشی طاری ہوگئی۔ اگر کوئی شخص اس حالت کو اپنے سے دفع کرسکتا تھا تو یحیٰی بن سعید ضرور دفع کرتے کیونکہ ان سے زیادہ عقلمند میں نے نہیں دیکھا، اور امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے کہ خود ان پر یہ حالت طاری ہوئی، اور علی بن فضیل بن عیاض کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ حاصل یہ کہ اس قسم کے واقعات ایسے لوگوں سے کثرت سے ثابت ہیں جن کے صدق پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن صحابہؓ کے احوال جو قرآن میں مذکور ہیں، جیسے قلوب کا دہل جانا، آنسوؤں کا بہنا وغیرہ وغیرہ ان سے اونچے ہیں اور ان حالات پر وہ لوگ انکار کرتے ہیں جن کے قلوب میں قساوت ہے اور دلوں پر زنگ لگ چکے ہیں اور جن کو دین سے بُعد ہے۔ یہ طبقہ تو بہت بُرا ہے اور اس کے بالمقابل بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے احوال سب سے اکمل اور اعلیٰ ہیں۔ اور یہ دونوں فریق افراط وتفریط میں مبتلا ہیں بلکہ اس میں تین مرتبے ہیں۔ ایک تو حال ظالم لنفسہ کا ہے جو قاسی القلب ہے جس کا دل قرآن کے سُننے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم نہیں ہوتا اور یہ لوگ یہود کے مشابہ ہیں جن کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ الآیۃ کہا ہے اور دوسرا طبقہ مؤمن متقی ہے لیکن ان کے قلوب میں ضعف ہے جو واردات کو برداشت نہیں کرسکتے، یہ لوگ بیہوش ہوجاتے ہیں یا مرجاتے ہیں

اور یہ حالت وارد کی قوت اور قلب کے ضعف کی وجہ سے ہوتی ہے اور ایسی باتیں امور دنیویہ میں بھی پیش آجاتی ہیں کہ بعض آدمی فرطِ خوشی سے یا فرطِ غم سے مرجاتا ہے یا پاگل ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی اس طرف سے کوتاہی نہیں ہوتی تو جو حالت ان پر پیش آتی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ان پر شک کرنے کی کوئی وجہ ہے جیسے کسی نے قرآن پاک جائز طریقہ سے سُنا ہو اور کسی قسم کی زیادتی اس کی طرف سے پیش نہ آئی ہو ایسے میں قلب پر جو حالت طاری ہوتی ہے جس کو سکر اور فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس جیسے اور امور جن سے غیر اختیاری طور پر بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے اور ان سب چیزوں میں اگر ان کا سبب ناجائز نہ ہو تو یہ بے ہوشی مذموم نہیں ہے بلکہ معذور ہے۔

اس میں قول فیصل یہی ہے کہ یہ سب احوال اگر ان کے اسباب مشروع ہیں اور صاحبِ حال سچا ہے مگر اپنی حالت کو قابو میں رکھنے سے عاجز ہے تو یہ حالت محمود ہے اور غشی وغیرہ میں جو غیر اختیاری طور سے اس سے صادر ہوتی ہے اس میں معذور ہے۔ اور یہ لوگ ان سے زیادہ اکمل ہیں جو اس مرتبہ تک ضعفِ ایمان یا قساوۃ قلب وغیرہ اسباب کی وجہ سے نہیں پہنچ سکے۔ لیکن وہ لوگ جن کی عقل زائل نہیں ہوتی حالانکہ ان کو بھی مرتبہ ایمان کا حاصل ہے تو وہ ان سے زیادہ اکمل اور افضل ہیں اور یہی حال صحابہؓ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لیگئے اور وہاں اُن کو کیا کیا دکھایا گیا مگر صبح اس حال میں کی کہ کوئی تغیر نہیں تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال سے افضل تھا جو جبل طور پر تجلی سے غشی کھاگئے۔ بیشک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال بہت اونچا

اور جلیل القدر تھا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ان سے بھی افضل و اکمل تھا۔ غرض یہ امور خوف وغیرہ کی زیادتی اوّلاً بصرہ سے ظاہر ہوئے۔ اور یہ لوگ اکثر صوف پہنتے تھے۔ اس کی طرف منسوب کرکے اُن کو صوفی کہنے لگے۔ لیکن ان کا طریق نہ صوف پہننے کے ساتھ مقید ہے نہ اس کو وہ واجب کہتے ہیں صرف ظاہر حال کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کردیئے گئے۔ پھر تصوّف کے لئے ان کے نزدیک حقائق ہیں اور احوال مشہورہ ہیں۔ ان لوگوں نے اس کی تعریفات میں اور صوفی کی سیرت وغیرہ میں بہت تفاصیل لکھی ہیں۔ مثلاً بعضوں نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جو گندگی سے پاک ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی فکر میں ڈوب گیا اور اس کے نزدیک سونا اور پتھر برابر ہوگیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ تصوّف معانی کو چھپانا اور دعاوی کو چھوڑنا ہے۔ اور ایسے ہی اور اقوال بھی ہیں۔ یہ لوگ صوفی سے صدیق کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور انبیاءؑ کے بعد افضل الخلائق صدیقین ہیں۔

یہ تو تصوف کی اصل ہے، اس کے بعد لوگ مختلف ہوگئے اور تین طبقے بن گئے

(۱) صوفیۃ الحقائق۔ ان کا حال تو تفصیل سے اوپر گذر چکا۔

(۲) صوفیۃ الارزاق۔ جو خانقاہوں میں رہتے ہیں ان میں بہت کم اہلِ حقائق ہوتے ہیں، لیکن تین شرطیں ان میں بھی ہیں۔ ایک یہ کہ فرائض کو ادا کرتے ہوں اور محارم سے بچتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اہلِ طریق کے آداب سے متصف ہوں، جو اکثر شرعی آداب ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ ضرورت سے زائد دنیا کے ساتھ چمٹے ہوئے نہ ہوں۔ اور جو مال کو جمع کرے، اور اخلاق محمودہ سے متصف نہ ہو، یا فاسق ہو وہ ان میں شمار نہیں ہوتا۔ اور ——

(۳) تیسری قسم رسمی صوفیوں کی ہے جو صرف نام کے صوفی ہیں۔ ان کا مقصد اور منتہائے نظر صرف صوفیاء کا لباس پہننا اور نئے نئے طریقے گھڑنا وغیرہ وغیرہ ہے۔ اور یہ ایسے ہیں کہ جیسا کوئی جاہل علماء کا لباس پہن لے یا کوئی مجاہدین کا لباس پہن لے اور ان کے چند اقوال و اعمال یاد کر لے جس سے جاہل لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بھی صوفیاء میں ہے۔ حالانکہ وہ صوفیاء میں سے نہیں ہے۔

فقط۔ مختصراً۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بسندہ یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کنجی مساکین اور فقراء کی محبت ہے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے جلیس ہیں قیامت میں۔ پس فقر تصوّف کی ماہیت میں داخل ہے اور اسی پر اس کا مدار ہے۔

حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف کا مدار تین خصلتوں پر ہے۔ فقر و احتیاج کو لازم پکڑنا۔ اور (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) خرچ کرنا اور ایثار کرنا اور دوسروں سے تعرض نہ کرنا اور اپنی پسندیدگی کو چھوڑ دینا۔ حضرت جنیدؒ سے سوال کیا گیا کہ تصوّف کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بلا واسطہ۔ اور حضرت معروف کرخیؒ کا ارشاد ہے کہ تصوّف نام ہے حقائق کو پالینا اور دوسروں کے پاس جو ہو اس سے ناامید ہو جانا۔ لہٰذا جس کو فقر نہ ملے اس کا تصوّف بھی محقق نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستّر بدری صحابہؓ کو پایا جو صوف پہنتے تھے۔

اَشغال و اَحوال

اشغال میں سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور جملہ اذکار میں سب سے اہم کلمہ لا الٰہ الّا اللہ ہے۔ اسی لئے صوفیاء کے یہاں جملہ طرق میں اس کلمہ شریف کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے۔ ہیئت اور طریقہ ہر شیخ طریقت کے یہاں مختلف ہوتا ہے، جیسے اطباء کے یہاں دواؤں کی تراکیب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ مجھے اطباء کے یہاں ایک عجیب چیز دیکھنے کی بڑی نوبت آئی کہ ایک نسخہ کسی بیمار نے کسی طبیب سے لکھوایا اور کوئی فائدہ نہیں ہوا وہ دوسرے طبیب کے پاس گیا اس نے اسی نسخہ کو باقی رکھا صرف اوزان اور ترتیب میں ذرا سا فرق کر دیا، بڑی حیرت ہے کہ دوائیں بدستور، صرف ہیئت کے فرق سے نسخے کے اثر میں فرق پڑ گیا۔ اور یہ متعدد دفعہ مجھے تجربہ کرنے کی نوبت آئی۔

تذکرۃ الرشید ص۱۲۱ میں حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے کہ اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں، اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے۔ (حضرت تھانویؒ نے مولود کی تخصیصات کو مشائخ کے اشغال کی قیود و تخصیصات پر قیاس کیا تھا) خاصکر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے کیونکہ تحصیل نسبت اور توجّہ الی اللہ تعالیٰ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صدہا آیات واحادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے۔ اور طرح طرح کے طرق و اوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالاً وہ وہی ہے کہ جن کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت وہر حدیث سے وہی ثابت ہوتا ہے۔ پس جیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے، اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاوے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض مؤکد ہو جاویگا اور بعض غیر مؤکد۔ لہٰذا ایک زمانہ میں صوم و صلوٰۃ و قرآن واذکار مذکورہ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی و وافی تھے۔ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز ہے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بسبب بعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اوراد اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری لہٰذا طبیبان باطنی نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی وزیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا لہٰذا ایجاد بدعت نہ ہوا۔ بلکہ اگر کوئی ضروری کہدیوے تو بجا ہے۔ کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا۔ اور وہ مقصود مامور بہ تھا اس کا حاصل کرنا بمرتبہ خود ضروری تھا۔ پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت۔ بعد اس کے دوسرے طبقہ میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ ثم وثم۔ جیسا کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے۔ اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدلی جاتی ہے۔ جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ ...... کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔

پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جاویگا۔ بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جاوے گی۔ دوسری نظیر اعلائے کلمۃ اللہ ہے جس کو جہاد کہتے ہیں بتأمل دیکھو کہ طبقہ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔

احادیث سے آپ کو معلوم ہے اور اس زمانہ میں استعمال ان آلات کا سراسر مضر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تارپیڈو کا واجب ہو گیا۔ کیونکہ تحصیل اعلائے کلمۃ اللہ بدون اس کے محال اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بکفار کہہ کر حرام بنا سکے بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا۔ کیونکہ تحصیل مقصود اس پر موقوف سی ہو گئی ہے۔ پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا۔ علیٰ ھذا القیاس اشغال کا حال ہے۔ فقط۔

اذکار میں سب سے اہم کلمۂ طیبہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورد تعلیم فرمایئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔ انھوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔ عرض کیا کہ میرے ربّ میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو کہ مجھ ہی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور دوسری طرف لا الٰہ الا اللہ کو رکھدیا جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا جھک جائے گا۔

اس ناکارہ کے رسالہ فضائل ذکر میں کئی حدیثیں لا الٰہ الا اللہ کی فضیلت کی اور اہمیت کی ذکر کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے۔ حضرت جابرؓ سے منقول

ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ نے فرمایا کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ تمام ذکروں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چکی اس کے گرد گھومتی ہے۔ اسی وجہ سے صوفیہ و عارفین اس کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں اور سارے اذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربہ سے اس میں جس قدر فوائد اور منافع معلوم ہوئے ہیں کسی دوسرے میں نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایمان کی تجدید کیسے کریں۔ ارشاد فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔ مشائخ سلوک اور اطبائے روحانی، جسمانی طبیبوں کی طرح سے مختلف بیماروں کو مختلف طریقوں سے اس کا ذکر بتاتے ہیں۔ مشائخ چشتیہ کے یہاں بارہ تسبیح کا ذکر بہت مشہور ہے۔ اس میں پہلے دو تسبیحیں لا الٰہ الا اللہ کی...... چار تسبیحیں الا اللہ کی، پھر چھ تسبیحیں اللہ اللہ کی اور آخر میں ایک تسبیح صرف اللہ کی۔

حضرت تھانویؒ التکشف ص۷۰۲ میں فرماتے ہیں۔

"صرف الا اللہ کے ذکر پر بعض کا یہ اعتراض ہے کہ مستثنیٰ بدون مستثنیٰ منہ اور عامل کے عبارت بے معنیٰ ہے۔ ایسا ذکر بے معنی نہ معتد بہ ہے نہ موجب اجر پس عبث ہوا پھر کیوں یہ اختیار کیا گیا۔ سو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع پر خطبہ میں یہ ارشاد فرمانا کہ اس کا گھاس نہ کاٹا جائے اس پر حضرت عباسؓ کا یہ عرض کرنا کہ "یا رسول اللہ الا الاذخر" اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا "الا الاذخر" اس سے جواز حذف عامل و مستثنیٰ منہ کا

وقت قیام قرینہ کے معلوم ہوتا ہے۔ پس الا اللہ میں بھی اس قرینہ سے کہ اس سے قبل لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہو چکا ہے یا بقرینہ عقیدہ ذاکر کے مستثنیٰ منہ عامل محذوف کر دیا تو کیا حرج ہے۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے قبل جو لا الٰہ الا اللہ کہا گیا ہے اس میں صرف الا اللہ کو مکرر لایا گیا اس کا عامل اور مستثنیٰ منہ ہر بار مراد ہوگا، اور تاکید کیلئے جو تکرار کیا جاتا ہے، کوئی دلیل اس کی تحدید پر قائم نہیں جس قدر اہتمام ہوگا اتنا تکرار مستحسن اور مقتضائے مقام ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات میں بعض مضامین کی نسبت ہے مازال یکررھا حتی وددنا انہ سکت او نحوہ (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ ہمارا جی چاہتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے۔)

احادیث میں کثرت سے اس کی نظائر موجود ہیں حضرت اسامہؓ کے ایک آدمی کے قتل کرنے کے قصہ میں جس کو انھوں نے منافق سمجھ کر قتل کر دیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار یوں فرمانا کہ قیامت میں جب وہ لا الٰہ الا اللہ لائیگا تو اس کا کیا جواب دوگے، بار بار اس کو فرمایا (مشکوٰۃ ص۲۹۹)

مشکوٰۃ میں کتاب الجہاد ص۳۳۴ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جنّت میں اپنے بندے کے سو درجے بلند فرمادیگا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان، صحابی نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ، الجہاد فی سبیل اللہ، الجہاد فی سبیل اللہ تین مرتبہ۔ سینکڑوں حدیثیں کتب حدیث میں موجود ہیں جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں سے مخفی نہیں ہیں

جن میں ایک ہی لفظ کا تکرار کیا گیا ہے۔

اسی طرح لفظ اللہ اللہ پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ کہنا لفظ مفرد ہے اس لئے نہ کسی معنی خبری کو مفید ہے نہ معنی انشائی کو، پھر اس ذکر بے معنی سے کیا فائدہ؟ مگر حدیث میں خود اسی فرد کے ساتھ اس نام پاک کو معقول بتایا گیا ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنی کچھ خبر اور انشاء میں منحصر نہیں۔ اگر اس سے تبرک و استحضار محض ہی مقصود ہو تو بے معنی اور غیر مفید کیوں ہوگا؟ ارشاد خداوندی واذکر اسم ربك ظاہراً الفاظ سے محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے۔ نیز یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ حرفِ ندا محذوف ہو اور حذفِ ندا شائع اور مشہور ہے۔ یہ ندا شوق اور نام کے ساتھ تلذذ کی وجہ سے ہوئی ہے (التکشف ص۷۰۳)

اور حضرت تھانوی ؒ نے بوادر میں لکھا ہے کہ اس باب میں قول محقق جو تکلف سے بعید ہے یہ ہے کہ جس طرح قرآن پڑھنے میں کبھی تو تلاوت مقصود ہوتی ہے اور اس وقت اس کے طریق کا منقول ہونا شرط ہے اور غیر منقول کا اختیار کرنا بدعت۔ اور کبھی محض ذہن اور حافظہ میں اس کا مستحضر اور راسخ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اس میں اتباع منقول کا کرنا لازم نہیں مثلاً ایک شخص ایک ایک مفرد کا تکرار کر کے یاد کرتا ہے، ایک شخص ایک ایک جملہ کا، ایک شخص ایک ایک آیت کا، یہ سب جائز ہے۔ اس کاوش کی ضرورت نہیں کہ اس میں سلف

کا کیا طریق تھا اسی طرح عبادت ذکر سے کبھی خود ذکر مقصود بالذات ہوتا ہے۔ اس ہیئت کا منقول ہونا شرط ہے اور کبھی ذہن میں کسی خاص مطلوب کا استحضار اور رسوخ مطلوب ہوتا ہے جس سے اس عبادت کا تعلق ہو اس میں اس ہیئت کا منقول ہونا شرط نہیں۔ پس الا اللہ اور اسم جلالہ کے تکرار معتاد سے مقصود بالذات ذکر نہیں بلکہ ایک خاص مطلوب کا استحضار مقصود ہے اور وہ خاص مطلوب فنائے علمی غیر اللہ اور توجہ الی اللہ میں تدریجاً ترقی کرنا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں کثرت مشہود ہوتی ہے اس لئے لا الٰہ الا اللہ سے اس مشہود کی نفی کر کے اس کو راسخ کیا۔ پھر جب اس نفی میں ایک درجہ گویا کامیابی ہو گئی تو محض ثبوت ذات کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے الا اللہ کا تکرار کیا۔ پھر ثبوت بھی ایک نسبت حکمیہ تھی، اس سے بھی نظر اُٹھا کر صرف ذات کا تصور ذہن میں راسخ کرنے کیلئے اسم جلالہ کا تکرار کیا جس کی مزاولت سے قلب میں غیر مطلوب سے بے التفاتی اور حضرت مطلوب کی طرف خالص التفات میں بلکہ راسخ ہو کر پھر ذکر کامل کا حق ادا کر کے خوب مقصود حاصل کرتا رہے گا۔

بفضلہ تعالیٰ اس تقریر سے سب اشکالات رفع ہو گئے اور اس کے بدعت ہونے کے حکم کا قلت تدبر سے ناشی ہونا ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ علی ما القی وافہم ولقن والھم۔

اب صرف یہ سوال باقی رہ گیا کہ تو کیا اس صورت میں اس طریق سے ذکر کرنے سے ثواب نہ ملیگا۔ اس کے جواب میں ہم پوچھیں گے کہ کیا جو شخص قرآن یاد کرنے کیلئے ایک ایک لفظ کا تکرار کر رہا ہے اُس کو اس یاد کرنے سے ثواب

ملیگا. جو اس کا جواب ہے وہی اس کا جواب ہے۔ اور قواعد پر نظر کرنے سے دونوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ گو تلاوت وذکر کا ثواب نہ ملے، لیکن تلاوتِ کاملہ کیلئے سعی وتیاری کرنے کا اور ذکرِ کامل کیلئے سعی وتیاری کرنیکا ثواب ملے گا۔ فقط۔

پاسِ انفاس

پاسِ انفاس بھی مشائخ سلوک کے یہاں اہم اشغال میں ہے جس میں سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کے مختلف طریقے ہیں جو مشائخ سلوک کے یہاں متعارف ہیں عمل تو اپنے شیخ کی تجویز پر کرنا چاہیئے لیکن اتنا سب میں مشترک ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہوگا. مشائخِ سلوک کی تعلیمات میں اس پر خاص زور دیا جاتا ہے۔

شفاء العلیل ص۵۷ میں لکھا ہے کہ طریقت کے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس کا بڑا اثر ہے نفس خطرات میں اور وسواس کے دور ہو جانے میں چنانچہ کسی عارف نے فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو پاسِ انفاس کا اہتمام کرے تو تجھے یہ بادشاہ تک پہنچا دیگا۔ ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ انسان کو ہر سانس پر ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیئے اور بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے ہرگز صاف نہیں ہو سکتا ...... چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف اور کدورتوں سے بالکل پاک کرکے انوارِ الٰہیہ کا مہبط بنا دیتا ہے. اس وجہ سے اس کو اصطلاحِ صوفیہ میں جاروبِ قلب کہتے ہیں۔

حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ مکتوبات ج ۱/۲ ص ۹۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

"پاسِ انفاس سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ نہ اندر جانیوالا سانس

نہ باہر نکلنے والا سانس۔ انسان دن رات میں تقریباً چوبیس ہزار سانس لیتا ہے (ارشاد مرشد میں چوبیس ہزار لکھا ہے) سب کا سب ذکر سے معمور رہے۔ عمرِ عزیز کا جو حصّہ بھی ذکر میں گذرے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے۔ حدیث میں باب صفۃ الجنۃ واہلہا میں طویل حدیث میں اہلِ جنّت کے اصول ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ تسبیح و تحمید کا ایسا الہام کئے جائیں گے جیسے بلا اختیار تم کو سانس آتا ہے۔ محشی نے مرقاۃ سے نقل کیا ہے کہ وہ حضرات تسبیح تہلیل سے نہ تھکیں گے جیسے تم سانس سے نہیں تھکتے ہو اور جیسے سانس لیتے ہوئے دوسرے کام میں رکاوٹ نہیں ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ذکر اُن کی صفتِ لازمہ بن جائیگی جیسا کہ سانس زندگی کیلئے صفتِ لازمہ ہے" (مشکوٰۃ صـ۴۹۶)

تصوّرِ شیخ

اسی کو شغل رابطہ بھی کہتے ہیں اور برزخ اور واسطہ بھی کہتے ہیں (تعلیم الدین) یہ مشائخ سلوک کے یہاں بہت اہم اشغال میں ہے مشائخ نے بہت سے فوائد اس کے تحریر کئے ہیں۔ بعض اکابر نے اس کو مطلقاً ناجائز کہا ہے۔ یہ تو بندہ کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس لئے کہ بہت سی احادیث سے تصورِ شیخ مستفاد ہوتا ہے۔ اس لئے جو حضرات اس کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں وہ تو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ محرم کے خوشبو لگانے کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ گویا میں اس وقت خوشبو کی چمک کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت جس کو التکشف صـ۶۷۰ میں بخاری و مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کانی انظر الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث وہ فرماتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی انبیاء میں سے حکایت فرماتے تھے جن کو اُن کی قوم نے مارا تھا الخ۔ ابوداؤد میں باب ماجاء فی خاتم الحدید میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعاء پڑھا کرو اللّٰھُمّ اھدنی وسددنی اور جب ہدایت کا لفظ کہا کرو تو راستہ کی ہدایت کا تصوّر کیا کرو اور جب سدّدنی

کہا کرو تو تیر کے سیدھا ہونے کا تصوّر کیا کرو، سیدی و مرشدی اس کی شرح بذل المجہود میں تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے دل میں ہدایت طریق سے تصور کیا کر جیسا چلنے والا سیدھا راستہ میں چلتا ہے اور دائیں بائیں نہیں مُڑتا، اگر مُڑ جائے تو مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح ہدایت میں تصور کرو کہ مقصد تک پہنچنا سیدھے چلنے پر موقوف ہے، اور سداد کے لفظ سے تیر کا سیدھا ہونا تصور کیا کر کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے سیدھا کر دیں کہ ذرا بھی مجھ میں ٹیڑھا پن نہ رہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ کی تقریر ابو داؤد میں ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس تصوّر کا اس لئے حکم فرمایا کہ خیالات منتشر نہ ہوں۔ نیز محسوسات میں تفکر کرنا معقولات میں تصوّر کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعا کے وقت راستہ اور تیر کے سیدھا پن کو اس لئے فرمایا تاکہ اس کے دل میں اور خطرات نہ آویں۔ اور اس میں تصوّر شیخ کے جواز کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ شیخ کا مرتبہ اللہ کے نزدیک تیر سے کیا گزرا نہیں۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ تصور کرنے کے وقت شیخ کی محبت دل میں آجائے۔ ہاں البتہ یہ مضر ہوگا اگر تصوّر کرتے وقت شیخ کو امر باطن میں متصرّف تصوّر کرے یا یہ سمجھے کہ وہ حاضر ہے یا یہ سمجھے کہ شیخ کو اس کا حال معلوم ہے۔ اسی واسطے مشائخ میں تصوّر شیخ کے بارے میں خلاف ہوگیا اور یہ اختلاف نزاع لفظی ہے جس نے جائز بتایا اس کی مراد پہلا درجہ ہے اور جس نے ناجائز بتایا اس کی مراد دوسرا درجہ ہے، یعنی شیخ کو حاضر ناظر سمجھنا۔ لیکن متأخرین علما نے جب دیکھا کہ یہ عوام کے فسادِ عقیدہ تک پہنچ جاتا ہے تو مطلقاً منع کر دیا اور یہی حق ہے حالات کے اعتبار سے۔ فقط۔

حدیث کی کتابوں میں بہت سی روایات اس مضمون کی ہیں۔ حیاۃ الصحابہ صفحہ ۲ میں باب حقیقۃ الایمان میں ہے کہ حضرت حارث بن مالکؓ سے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ کیسے صبح کی؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ مؤمن حق ہونے کی حالت میں، حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا حقیقت ہے تمہارے ایمان حق کی؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ میں نے دنیا سے منھ پھیر لیا.........
اور گویا میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں، اور گویا میں اہلِ جنّت کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں، اور گویا میں اہلِ دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تیرے قلب کو اللہ تعالیٰ نے منور کر دیا ہے۔ دوسری روایت میں حضرت معاذؓ سے بھی یہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے صبح ایمان کی حالت میں کی، تو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں جب صبح کرتا ہوں تو شام کی امید نہیں ہوتی اور گویا میں دیکھتا ہوں ہر امّت کو کہ گھٹنوں کے بل پڑی ہے اور اپنی کتاب کی طرف بلائی جا رہی ہے اور ان کے ساتھ ان کا نبی بھی ہے اور وہ بُت بھی ہیں جن کو وہ پوجا کرتے تھے، اور گویا میں جہنّم والوں کے عذاب کو اور جنّت والوں کے ثواب کو دیکھ رہا ہوں۔

شمائل صفحہ ۲۴ میں حضرت عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپؐ سُرخ جوڑا تھا گویا اس وقت حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دونوں پنڈلیوں کی چمک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اسی طرح حضرت انس کی روایت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بارے میں ہے کہ گویا جس کی سفیدی اب بھی میری نظر کے سامنے پھر رہی ہے۔

سینکڑوں روایات تصوّر سے متعلق کتبِ حدیث میں موجود ہیں اس لئے مطلقاً تصورِ شیخ کو ناجائز کہنا تو مشکل ہے البتہ یہ اگر مفضی ہو جائے کسی غیر مشروع امر کی طرف تو پھر اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔ ورنہ دفع خطرات کیلئے یا عشق مجازی میں پھنسے ہوئے کیلئے تصورِ شیخ اکسیرِ اعظم ہے۔

تعلیم الدین ص ۱۷۷ میں لکھا ہے کہ کتبِ فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصوّر کرنے سے اس سے محبّت پیدا ہو جاتی ہے اور نسبت قوی ہوتی ہے اور قوتِ نسبت سے طرح طرح کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصورِ شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔

بہر حال اس میں جو کچھ حکمت اور فائدہ ہو راقم (حضرت تھانوی) کا تجربہ ہے کہ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر کہ صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی واسطے امام غزالیؒ وغیرہ محققین نے عوام اور اغبیاء کے لئے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو۔ اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچانا چاہیئے اور خواص اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں، اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرتِ تصوّر سے کبھی صورتِ مثالیہ روبرو حاضر ہو جاتی ہے۔ کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفہ غیبی اس شکل متمثل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ اس مقام پر اکثر

ناواقف لوگوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔ انتہیٰ۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے مکتوبات ص۳۴/۱ میں ۱۱ پر تحریر فرمایا ہے:۔

"تصورِ شیخ وسوسہ اور پریشان خیالات سے بچاتا ہے تصورِ شیخ سے عجیب و غریب کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ وہ مرید کو کوئی تعلیم یا نفع پہنچانا چاہتا ہے نہ اس کی توجہ مرید کی طرف ہوتی ہے بلکہ یہ فطری مؤثرات ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے شیطانی وسوسوں سے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے اور برکاتِ یزدانی کے نزول کا باعث گردانا ہے چونکہ عوام الناس کے قدم اس راہ میں لغزش کرتے ہیں اس لئے حکمائے اُمّت نے اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے ورنہ شرعاً اس کی اجازت اور روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے" اھ۔

حضرت مدنیؒ دوسرے مکتوب ج۱۶/۱ ص ۲۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"شغل برزخ کو اگرچہ شاہ اسمٰعیل صاحب قدس سرہ العزیز نے سدًّا للذریعہ منع فرمایا ہے مگر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اس کو منع نہیں فرماتے تھے۔ ان سے بعض حضرات نے اس کے جواز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے امام حسنؓ کی اس روایت کے الفاظ کو استدلال میں پیش فرمایا جس میں حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا سے پوچھنے کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ میں ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا (جسمانی اعضا اور رنگ وغیرہ) کی بابت دریافت کرتا رہتا تھا، اتعلق بہ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخ اور مثال کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا مقصود ہے اور یہی شغل برزخ ہے" اھ۔

یہ حدیث شمائل ترمذی میں بہت مفصل موجود ہے جسے ترجمہ دیکھنا ہو اس ناکارہ کا رسالہ "خصائل نبوی" دیکھے، اس کے فوائد میں لکھا ہے:۔

"مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے محبت اور سند بناؤں اور ان اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔"

حضرت مدنیؒ نے مکتوبات ۸۳/۴ میں دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"کسی صورت کو ذہن میں جمانے اور حاصل کرنے کو لغت میں تصور کہتے ہیں، خواہ وہ صورت جاندار کی ہو یا غیر جاندار کی، خواہ معمولی شخص کی ہو یا غیر معمولی شخص کی کسی بزرگ اور ولی کی ہو یا اپنے مرشد، باپ ماں کی، خواہ اس صورت سے نفع کی امید ہو یا نہ ہو مگر عرف میں تصورِ شیخ کسی مقدس اور بزرگ کی صورت کو ذہن میں دھیان لانے اور جمانے کا نام ہے۔ بالخصوص اپنے مرشد کے شخص اور چہرے کو خیال میں جمانے اور حاصل کرنے کو تصورِ شیخ کہتے ہیں۔ ذہن میں اپنے مرشد کی تصویر اور تمثال کو جمانا اور حاصل کرنا بالاتفاق جائز ہے بلکہ مفید بھی ہے۔ صحابۂ کرامؓ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے حضرت امام حسنؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثال اور سراپا کو اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے بار بار پوچھ کر اپنے ذہن میں جمایا ہے۔ اور

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شکل وصورت اور لباس وغیرہ کو صحابۂ کرامؓ کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کی صورت اور شکل کو مخاطبین کے دماغ میں تمثل اور جگہ دینا مقصود ہے۔"

اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ، نقشہ وغیرہ ذکر فرمایا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال میں وارد ہے کہ:۔

"........وہ گندمی رنگ، گھنگھریالے بالوں والے، سرخ اونٹ پر گویا میں اس وقت ان کو دیکھ رہا ہوں کہ وادی میں اتر رہے ہیں"

متعدد روایات نقل کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ اس قسم کی روایات صحاح میں بکثرت ہیں جن سے نہ صرف تصورِ شیخ کی اباحت نکلتی ہے بلکہ اس میں بہتری اور اولویت بھی معلوم ہوتی ہے اور کسی نہ کسی قسم کے فیض اور نفع کا ترشح ہوتا ہے ورنہ شارع علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ نہ کیا جاتا بلکہ ممانعت ظاہر ہوتی۔ ان ہی منافع کی وجہ سے زمانہ سابق میں اہلِ فراست اور مقدس حضرات نے تصورِ شیخ کو معمول قرار دیا اور مقدس سمجھ کر اس سے عظیم الشان منافع کی اسکیم بنائی۔

حضرت قطب العالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اپنے خلیفہ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو تحریر فرماتے ہیں (اصل خط فارسی میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے):۔

" اگر فرصت ہو تو نماز صبح یا مغرب یا عشاء کے بعد علیحدہ کسی حجرہ وغیرہ میں بیٹھیں اور دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے اس طرف متوجہ ہوں اور تصور کریں کہ گویا اپنے شیخ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور فیضانِ الٰہی شیخ کے سینہ سے میرے سینہ میں آرہا ہے۔ اگر دل لگے اور ذوق وشوق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ذکر نفی و اثبات میں جہر متوسط کے ساتھ مشغول ہو جائیں۔ ایک دو گھنٹہ کم زیادہ یہ شغل رکھیں ۔"

نیز ایک دوسرے والانامہ میں حضرت نانوتویؒ کو لکھتے ہیں (یہ بھی اصل خط فارسی میں ہے):۔

" اگر صبح یا مغرب کی نماز کے بعد فرصت ہو تو لمحہ دو لمحہ مراقب ہوں اور ایسا خیال کریں کہ گویا اپنے مرشد کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور مرشد کے قلب سے میرے قلب میں کوئی چیز آرہی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ ادھر (یعنی حاجی صاحبؒ کی طرف) سے بھی آپ کی جانب توجہ ہوگی۔ اگر فضل الٰہی شامل حال ہوا تو فائدہ ہوگا، اطمینان رکھیں ۔"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ 'قولِ جمیل' میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ رُکنِ اعظم دل کا لگانا اور گانٹھنا ہے مرشد کے سامنے محبت اور تعظیم کی صفت پر اور اس کی صورت کا ملاحظہ کرنا۔ میں کہتا ہوں حق تعالیٰ کے مظاہر کثیر ہیں، سو نہیں کوئی عابد غبی ہو یا ذکی مگر اس کے مقابل ظاہر ہو کر اس کا معبود ہو گیا ہے بحسب مرتبہ اس کے اور اس کے بھید کے سبب سے روبقبلہ ہونا اور

استواء علی العرش کا شرع میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے درمیان اور اس کے قبلہ کے درمیان میں .... تو اے سالک تجھ پر کچھ مضائقہ نہیں ہے اس میں کہ تو متوجہ نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اور اپنا دل نہ لگائے مگر اُسی سے اگرچہ ہو عرش کی طرف متوجہ ہو کر اور اُسی کے نور کا تصور کر کے جلوہ جس کو حق تعالیٰ نے عرش پر رکھا ہے اور وہ نہایت روشن رنگ ہے چاند کے رنگ کے مانند یا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس حدیث کا گویا مراقبہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔"

پھر آگے طویل کلام کے بعد حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں:۔

" یہ طریقہ تصور شیخ اسلافِ کرام سے جاری اور مثمر نتائج قویہ چلا آتا تھا مگر بعد کو لوگوں نے افراط اور غلو سے کام لیا اور ایسی ایسی چیزیں ملائی اختیار کیں جو کہ ضرر دینے والی اور صراط مستقیم سے دور کرنے والی ہیں ۔"

اس کے بعد حضرت نے .... فتاوی رشیدیہ سے چار پانچ فتاوی اور حضرت نانوتویؒ کے چند مکاتیب نقل فرما کر تحریر فرمایا ہے:۔

" خلاصہ یہ ہے کہ خطرات کے دور کرنے اور خیالات کو جمع کرنے اور ہمت کو قوی بنانے کی عبادات میں جس قدر اہمیت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے اور چونکہ تصورِ شیخ کی تاثیر اس امر میں نہایت

درجہ بے نتیجہ ہے اس لئے تجربہ اور نصوص نے اکابر اُمت کو اس طریقہ کے جاری کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اُمت کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ مگر چونکہ متاخرین غلط کاروں نے اس میں محظورات اور ناجائز اشیاء داخل کر دیں۔ مثلاً شیخ کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعتقاد کرنا یا اس کے تصورات توجہ الی الشیخ میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی سے مستغنی اور غافل ہو جائے یا شیخ کو مثل کعبہ ہر نماز میں قبلہ اور متوجہ الیہ بنا لینا یا باطن مرید میں شیخ کو متصرف سمجھنے لگنا یا اس صورت کی اور شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگنا یا اس سے ناعاقبت اندیشوں یا احمقوں کا صورت پرستی حقیقی اختیار کرنا جیسے مختلف مبتدع پیروں کے یہاں رائج ہو گیا ہے، اس لئے سمجھدار اکابرین پر لازم ہو گیا کہ اس پر فکر فرماویں اور ذریعۂ شرک اور کفر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ بہر حال یہ عمل مطلقاً ممنوع ہے نہ مطلقاً ضروری ہے۔ فتویٰ دینے اور عمل کرنے میں غور و فکر اور سوچ سمجھ سے کام لینا چاہیئے۔" واللہ اعلم

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۸ر نومبر ۱۹۵۵ء

ارواح ثلثہ میں حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حالات میں لکھا ہے کہ سید صاحب رائے بریلوی جب شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں تھے تو شاہ صاحب نے شغل رابطہ بتایا تو سید صاحب نے اس شغل سے عذر فرما دیا اس پر شاہ صاحب نے فرمایا ؎

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تو سید صاحب نے جواب دیا آپ کسی معصیت کا حکم دیجئے کر لونگا یہ تو معصیت نہیں بلکہ شرک ہے یہ تو گوارا نہیں۔ شاہ صاحب نے یہ سُن کر اُن کو گلے سے لگا لیا کہ اچھا ہم تم کو طریقِ نبوت سے لے چلیں گے۔ تم کو طریقِ ولایت سے مناسبت نہیں ہے۔ اس شعر کے متعلق آپ بیتی میں ایک قصہ لکھا ہے جو میں نے اپنے اکابر سے سُنا ہے، شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ "جا نماز کو شراب سے رنگین کر لے، اگر پیرِ مغاں حکم دے کہ سالک بے خبر نہیں ہوتا منزلوں کے راستہ سے۔"

اس شعر کے متعلق ایک شاگرد نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے مطلب پُوچھا۔ اوّل تو حضرت نے فرمایا کہ تم اپنے پڑھنے پڑھانے میں لگو تمھیں ان چیزوں سے کیا واسطہ۔ مگر جب اس نے اصرار کیا تو حضرت نے اپنے پاس سے دس روپے دیئے اور فرمایا کہ فلاں سرائے میں چلے جاؤ اور خواجہ سرائے سے معلوم کر لو کہ کوئی لڑکی خالی ہے یا نہیں۔ اوّل تو مولوی صاحب بہت سوچ میں پڑے مگر چونکہ خود ہی استفسار کیا تھا اس لئے تعمیل حکم میں گئے۔ خواجہ سرائے نے کہا کہ ایک بہت حسین لڑکی ابھی آئی ہے فلانی کوٹھڑی میں ہے اس سے میں بات کر کے آتا ہوں۔ وہ گیا اور اس سے کہہ کر اُس کو راضی کر کے آکر کہدیا کہ رات کو آجائیں۔ یہ رات کو پہنچے تو وہ لڑکی نہایت سر جھکائے بیٹھی رو رہی تھی۔ یہ بہت حیرت میں پڑ گئے۔ اُنہوں نے بہت زیادہ اصرار سے کہا کہ میں نے کوئی جبر نہیں کیا، کوئی زبردستی نہیں کی، مگر وہ ہچکیاں مار کر رونے لگی۔ یہ مولوی صاحب مصیبت میں پھنس گئے۔ ایک گھنٹہ کے بعد اُس عورت نے

بتایا کہ میں ستم رسیدہ ہوں، مظلوم ہوں، کئی دن کا فاقہ ہے، پاؤں پھر رہی ہوں، میرا خاوند مجھے چھوڑ کر چلا آیا، ان کا کہیں پتہ نہیں چلا، دو تین ماہ سے ان کی تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ اُس نے خاوند کا نام پُوچھا، جگہ پُوچھی، معلوم ہوا کہ اس کے خاوند یہی مولوی صاحب تھے۔ اُنھوں نے کہا ذرا منھ کھول کر سر اُٹھا۔ جب اُس نے سر اُٹھایا تو ایک نے دوسرے کو پہچان لیا کہ علم کے شوق میں گھر سے چُھپ کر بھاگ آئے تھے۔ رات بھر مولوی صاحب نے وہاں قیام کیا۔ صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت شعر بالکل صحیح ہے۔

اس نوع کے اور بھی میرے اکابر سے قصّے سُنے ہوئے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ کہنے والا واقعی پیرِ مغاں ..... اور جامعِ شریعت و طریقت ہو، واقف رموز اسرارِ الٰہی ہو۔ ہر مدعیِ بزرگی کا یہ کام نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہ کہدوں؟ عرض کیا گیا فرمایئے۔ پھر فرمایا کہ کہدوں؟ عرض کیا گیا فرمایئے، پھر فرمایا کہ کہدوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے! تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور مَیں نے اُن سے پُوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا تو فرمایا کہدوں؟ عرض کیا گیا ضرور فرمایئے! فرمایا کہ اتنے سال (ناقل کو مقدار یاد نہیں رہی کہ خانصاحب نے کتنی بتائی تھی) حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم میرے قلب میں رہے اور مَیں نے کوئی بات بغیر آپ سے پُوچھے نہیں کی۔ یہ کہکر اور جوش ہوا۔ فرمایا کہ اور کہدوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے، مگر خاموش ہوگئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس

رہنے دو۔ اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔ اس پر حضرت حکیم الاُمّت تھانویؒ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بار بار استفسار فرمانا کہ کہدوں، امتحان و اشتیاق و اہلیتِ مخاطب کیلئے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اسرار کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے..... اور دوسری بار میں اس سوال کا تکرار نہ کرنا شاید اس لئے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور ایک بار سوال کرنا اس لئے کہ طلب کے بعد حصول اوقع فی النفس ہے اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر تو تخیّل کی قوت ہے اور کبھی بطور خرق عادت کے روح کا تمثّل بشکل جسد ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لزوم و دوام کے ساتھ حاضر و ناظر ہونیکے اعتقاد کی یا استعانت و استغاثہ کے عمل کی گنجائش نہیں اور اس کے بعد کے مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس رہنے دو، اور اس کے بعد اصرار پر جواب میں مرتبۂ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اس مرتبہ مسکوت عنہا کی تفسیر ہے تب تو اس وقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کیلئے ہو کہ اہلِ ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دوٗ مرتبوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی بعد اصرار کے فرمانے میں حالاً اُسکی تعلیم ہے کہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبے غیر مقصود اور حال ہیں شتان ما بینھما اور اگر یہ اس کی تفسیر نہیں ہے تو اس کا اخفاء فرمایا۔ شاید افہامِ عامہ اس کے متحمل نہ ہوتے شاید تجلیات ربّانیہ میں سے کوئی تجلّی ہو اور اس کی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوں جیسا صوفیاء کے ایسے اسرار میں اہلِ ظاہر کو ایسے اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں۔"

(آپ بیتی ۶ ص ۴۷۵)

کشفِ صُدور، کشفِ قبُور

کشف، مشائخِ سلوک کو بہت کثرت سے ہوتا ہے جو بسا اوقات تو مجاہدات پر متفرع ہوتا ہے اور بسا اَوقات وہبی ہوتا ہے۔ جو مجاہدات پر موقوف ہوتا ہے وہ تصوّف کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مجاہدہ اور ریاضت کرنے والے کو کشف ہونے لگتا ہے اسی لئے مشائخ کے یہاں اس کو کچھ اہمیّت نہیں بلکہ ناقابلِ التفات ہے بلکہ مشائخ بسا اَوقات اپنے مریدوں کو جب کشف وغیرہ ہونے لگتا ہے تو مجاہدات اور ریاضات وغیرہ سے روک دیتے ہیں۔

آپ بیتی میں کہیں لکھوا چکا ہوں کہ میرے ایک مخلص دوست مولوی عبدالرحمٰن گنگوہی جو گنگوہ میں میرے والد صاحب کے خاص شاگردوں میں تھے اور جب ۱۳۲۸ھ میں میرے والد صاحب مستقل مظاہر علوم میں آگئے تو یہ مخصوص طلبہ بھی آگئے۔ انھوں نے دورۂ حدیث کی کتابیں مظاہر علوم میں پڑھیں اور میرے حضرت قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ معمولات کے بہت پابند تھے۔ شملہ کے قریب کسولی کی ایک مسجد میں امام تھے اور وہاں بچّوں کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اُس وقت چونکہ حضرت کی ڈاک مَیں ہی لکھا کرتا تھا خطوط میں ان کے حالات بہت اُونچے معلوم ہوتے تھے۔ ایک خط میں مرحوم نے اپنے بہت سے مکاشفات عجائبات ذکر کئے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس خط کے جواب میں حضرت اُن کو بیعت کی اجازت دینگے مگر حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے اُن کے خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ فرائض اور سننِ مؤکدہ کے علاوہ سب اذکار و

اشغال چھوڑ دو۔

میرے اکابر نوراللہ مراقدہم مکاشفات کو اگر وہ وہبی بھی ہوں تب بھی مانع عن الطریق سمجھا کرتے تھے۔ میرے حضرت کا ارشاد تھا کہ یہ ایسا ہے جیسے راستہ چلتے راستہ میں دائیں بائیں باغیچے، پھُول پھلواری نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے دیکھنے اور مزا لینے میں لگ جائے تو راستہ قطع نہیں ہوگا یعنی مقصود تک پہنچنے میں دیر لگے گی۔ اسی لئے میرے اکابر عام طور سے ان کشوف کو پسندیدہ نہیں سمجھتے تھے۔ میرے اکابر میں بھی دونوں قسم کے اکابر گذرے ہیں۔ میرے حضرت نوراللہ مرقدہ کو کشوف بہت کم ہوتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو بہت کثرت سے ہوتے تھے۔ حضرت حکیم الاُمّتؒ کا مقولہ کئی دفعہ کا سُنا ہوا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی گود میں بھی بیٹھ جاؤں تو مجھے ڈر نہیں لگتا اور شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھتے ہوئے بھی ڈر لگے کہ نہ معلوم کیا کیا منکشف ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت قطبِ عالم گنگوہیؒ کے خدام میں بھی دونوں طرح کی مثالیں متعدد سُننے میں آئی ہیں۔ حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ انبہٹوی کو کشوف بہت ہوتے تھے اور میرے حضرت کو زیادہ نہیں جس کے متعلق متعدد مکاتیب مکاتیب رشیدیہ میں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں مگر اکثر چونکہ یہ چیز مجاہدوں سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً چلّہ کشی، حبس دم وغیرہ۔ اس لئے بھی اکابر سلوک کے نزدیک یہ سلوک کا مدار نہیں، لیکن شریعتِ مطہّرہ کے خلاف بھی نہیں۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دو قبروں پر گذرنا اور اُن سے عذابِ قبر کی آواز سُننا جو پیشاب اور چغلخوری سے ہو رہا تھا مشہور حدیث ہے، حدیث

سب کتابوں میں منقول ہے۔ مشکوٰۃ میں باب اثبات عذاب القبر میں حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے ایک خچر پر سوار تھے کہ ایک دم وہ سواری بدکی اور قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرادے۔ وہاں پانچ چھ قبریں بنی تھیں جن میں عذاب ہو رہا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم دفن کرنا نہ چھوڑ دو، ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمھیں بھی عذاب قبر کی یہ آواز سنوادے جو میں سن رہا ہوں۔ اور حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر کے تنگ ہونے کا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اس مرد صالح پر قبر ایسی تنگ ہوئی کہ ہڈیاں پسلیاں ایک ہو گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (ہماری تسبیح و تکبیر سے) کشادہ فرمایا۔ مشکوٰۃ ہی میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے ایک جگہ خیمہ لگایا، انھیں پتہ نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ اچانک وہاں ایک آدمی کی آواز سنی کہ سورۂ تبارک الذی اس نے اخیر تک پڑھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ذکر کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ تبارک الذی عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔ حیاۃ الصحابہ[1] میں ایک طویل قصہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان بڑا عابد زاھد تھا مسجد میں اکثر رہا کرتا تھا، عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر گیا جہاں اس کا بوڑھا باپ تھا۔ راستہ میں ایک حسین کے ساتھ آنکھیں چار ہو گئیں۔ ایک عورت کو اس سے عشق ہو گیا، وہ عورت ہمیشہ راستہ میں کھڑی رہا کرتی۔ ایک دن عورت نے اس کو بہکایا، وہ بھی ساتھ ہو لیا۔ اور دروازہ پر پہنچ کر جب عورت اندر چلی گئی یہ بھی جانے لگا تو اللہ تعالیٰ کی یاد نے نشہ توڑ دیا اور یہ آیت اس کی زبان پر جاری ہو گئی اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

[1] حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی عربی میں یہ ایک عظیم الشان تالیف ہے۔ اردو ترجمہ بھی طبع ہو گیا ہے۔ ناشر۔

اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ؕ تو وہ نوجوان غش کھا کر گر گیا اس عورت نے اپنی مدد کیلئے اپنی باندی کو بلایا۔ اور دونوں نے مل کر اٹھا کر اس کے دروازہ تک پہنچایا اور دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ بوڑھا باپ نکل کر آیا تو دیکھا کہ لڑکا دروازہ پر بیہوش پڑا ہے۔ اس نے اپنے گھر کے لوگوں کو بلایا اور ....

اسے اٹھا کر اندر گھر میں لے گئے۔ رات کے بڑے حصہ کے بعد اس کو ہوش آیا۔ باپ کے پوچھنے پر سارا قصہ سنایا۔ باپ نے پوچھا کونسی آیت پڑھی تھی، لڑکے نے اوپر والی آیت پڑھی اور پھر بیہوش ہو کر گر گیا۔ لوگوں نے حرکت دی تو وہ مر چکا تھا۔ اس کو رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔ صبح کو یہ قصہ حضرت عمرؓ تک پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے باپ کے پاس جا کر اس کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے کیوں نہ خبر کی، تو انہوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین رات کا وقت تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی قبر پر مجھے لے چلو۔ حضرت عمرؓ ساتھیوں کے ساتھ قبر پر پہنچے اور اس کو مخاطب کر کے یہ آیت پڑھی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ؕ تو قبر میں سے دو دفعہ آواز آئی کہ اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ دونوں جنتیں عطا فرما دیں۔

حیاۃ الصحابہ میں ایک اور عجیب قصہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ جنت البقیع تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم یا اھل القبور، ہمارا حال سنو کہ تمہاری عورتوں نے دوسرے نکاح کر لئے اور تمہارے گھروں میں دوسرے لوگ رہنے لگے اور تمہارے اموال سب بٹ گئے۔ تو ایک غیبی آواز آئی اے ہماری خبر سنو! کہ جو ہم آگے بھیج چکے وہ پالیا، اور جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی

میں خرچ کیا تھا اُس میں نفع ہوا، اور جو پیچھے چھوڑ آئے اُس میں گھاٹا ہوا۔

اس میں ایک یہ بھی عجیب قصہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بدر کے پاس کو گذر رہا تھا کہ ایک گڑھے سے ایک آدمی نکلا، اُس کی گردن میں ایک زنجیر پڑی ہوئی تھی اور مجھے بار بار آواز دے رہا تھا کہ اے عبداللہ مجھے پانی پلا، اور اسی گڑھے میں سے ایک اور آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا اور اُس نے کہا کہ اے عبداللہ اس کو پانی مت پلا یہ کافر ہے۔ اس کے بعد اُس نے ایک تلوار اُس پر ماری جس سے وہ اسی گڑھے میں واپس ہو گیا۔ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ابوجہل تھا اور قیامت تک اس کو یہی عذاب ہوتا رہے گا۔ اور بہت سی روایات قبروں سے آواز سُننے کی حدیث کی کتابوں میں وارد ہیں۔ اس لئے جو مکاشفات و خوارق کا انکار کرتے ہیں وہ حدیث سے ناواقف ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح صـ۸ میں بہت سی روایات اور قصے اہلِ قبور کے نقل کئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ ابن ساس ایک جنازہ کے ساتھ ایک دن گئے اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ایک قبر کے پاس پہنچے اور دو رکعت پڑھی اور قبر پر ٹیک لگالی، وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا قلب جاگ رہا تھا کہ اچانک میں نے قبر سے ایک آواز سُنی کہ صاحبِ قبر نے کہا کہ پرے کو ہٹو مجھے اذیت نہ دو، تم زندہ لوگ عمل کرتے ہو مگر اس کے بدلے کو نہیں دیکھتے اور ہم لوگ ثواب کو دیکھتے ہیں عمل نہیں کر سکتے تم نے جو دو رکعتیں پڑھی ہیں وہ میرے نزدیک اتنے اتنے (ثواب یا بدلہ) کے

زیادہ محبوب ہیں۔

دوسرا قصہ لکھا ہے کہ حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ آرہا تھا۔ ایک جگہ اُترا، وضو کیا اور دو رکعت پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا، پھر جاگا تو دیکھا کہ صاحبِ قبر میری شکایت کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ تو نے ساری رات مجھے ستایا۔ پھر وہی اوپر والا مضمون ذکر کیا کہ تم لوگ عمل کرتے ہو مگر جانتے نہیں ہو اور ہم جانتے ہیں مگر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر کہا کہ تم نے جو دو رکعتیں پڑھی ہیں وہ دُنیا اور مافیہا سے بہتر ہیں۔ اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو جزائے خیر دے، ہماری طرف سے اُنھیں سلام کہنا کہ اُن کی دُعا سے پہاڑوں کے برابر ہمیں نور پہنچتا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے بہت سے قصے لکھے ہیں سب کا لکھنا تو مشکل ہے۔ اس میں ایک یہ واقعہ لکھا ہے کہ میرے ایک دوست گھر سے عصر کے وقت نکلے اور باغ میں گئے۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے قبرستان میں پہنچ گیا ایک قبر کو دیکھا کہ آگ کا شعلہ بن رہی تھی جیسے شیشہ کا برتن۔ اور مُردہ اُس شعلہ کے اندر ہے۔ میں نے آنکھیں مَلنی شروع کیں کہ کہیں سو تو نہیں رہا۔ پھر میں نے شہر پناہ کی طرف نگاہ کی تو شہر پناہ کو دیکھا تو یقین آیا کہ میں سو نہیں رہا اور میں مدہوشی کی حالت میں گھر پہنچا۔ گھر والے کھانا لائے مگر مجھ سے کھایا نہیں گیا۔ پھر شہر میں جا کر اس قبر کی تحقیق کی کہ کس کی قبر ہے تو پتہ چلا کہ یہ ایک ظالم ٹیکس لینے والے کی قبر ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت لکھی ہے کہ ابو قزعہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بصرہ کے قریب چشمہ پر گذرے تو ہم نے گدھے کی آواز سُنی۔ میں نے وہاں والوں سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ تو اُن لوگوں نے کہا کہ

یہ ایک شخص تھا جب اُس کی ماں کسی کام کیلئے کہتی تو یہ جواب دیا کرتا کہ ہر وقت گدھوں کی طرح بولو جا۔ جب سے یہ مرا ہے روزانہ رات کو اس کی قبر سے گدھے کی آواز آتی ہے۔

قصّے تو بہت ہیں، اور بہت عبرتناک۔ ایک اور قصہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ایک شخص تھا اس کی ایک بہن بیمار ہوئی، اُس کی عیادت کیلئے وہ جایا کرتا تھا، پھر اس کا انتقال ہوگیا، اُس نے اُس کو دفنا دیا۔ دفنا کر لَوٹا تو اُس کو یاد آیا کہ اُس کی قبر میں کوئی چیز بھُول آیا، تو اپنے ایک ساتھی کو مدد کیلئے ساتھ لیکر قبرستان گیا اور قبر کھودی، وہ چیز مل گئی۔ پھر اُس نے اپنے ساتھی سے کہا ذرا ہٹو میں دیکھوں کہ میری بہن کس حال میں ہے اور لحد پہ سے ایک دو اینٹیں اُٹھائیں تو دیکھا کہ قبر میں آگ دہک رہی ہے۔ اُس کو بند کر کے آکر ماں سے پُوچھا کہ میری بہن کا زندگی میں کیا حال تھا اور کیا عمل کرتی تھی۔ ماں نے کہا کیوں پُوچھتے ہو وہ تو مر چکی۔ اُس نے اصرار کیا تو ماں نے بتایا کہ نماز میں لاپرواہی کرتی تھی اور محلہ والوں کی باتیں کان لگا کر سُنتی تھی اور دوسروں میں پھیلاتی تھی۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر ابو اسحٰق فزاری سے سوال کیا کہ نباش (کفن چور) کیلئے توبہ ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ جب سچّے دل سے توبہ کرے تو قبول ہو سکتی ہے، تو اُس شخص نے اُن سے کہا کہ میں کفن چور تھا مَیں نے بہت سے لوگوں کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا دیکھا۔ ابو اسحٰق فزاری کو اس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو اُنھوں نے امام اوزاعی کو لکھا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سُنّت کے خلاف پہ مرے ہیں، یعنی بدعتی لوگ۔

حافظ ابن قیمؒ اس قسم کی بہت سی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے بارے میں دکھائے ہیں......... اور ملاحدہ اور زنادقہ کے پاس ان واقعات کو جھٹلانے کی کوئی دلیل نہیں

مندرجہ بالا مضمون کشفِ قبور کے بارے میں تھا اور کشفِ صدور کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب الروح ص۲۸۳ میں لکھا ہے کہ اہلِ فراست کی تو اللہ جلّ شانہٗ نے مدح کی ہے اس آیت میں اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ؕ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے کہا ہے کہ متوسمین سے مراد فراست والے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے کئی آیتیں لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ فراستِ صادقہ اس قلب کیلئے ہے جو گندگیوں سے پاک صاف ہو اور اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کر چکا ہو تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے اُس نور سے دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مؤمن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے (ترمذی) اور یہ فراست اس میں اللہ تعالیٰ کے قُرب کی وجہ سے پیدا ہوئی کیونکہ دل جب اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے تو بُرے خیالات جو حق کی پہچان اور ادراک سے مانع ہوتے ہیں اس سے دور ہو جاتے ہیں اور وہ اس مشکوٰۃ سے حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، اپنے قُرب کے موافق اور اس کیلئے قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس نور سے وہ چیزیں دیکھتا ہے جسے وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے جو اللہ تعالیٰ سے دور اور محجوب ہوں،

جیساکہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ کوئی بندہ اتنا قُرب مجھ سے حاصل نہیں کرسکتا جتنا فرائض سے اور بندہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرتا رہتاہے، یہاں تک کہ مَیں اُس کو محبوب بنالیتاہوں اور جبکہ میں اس سے محبت کرتاہوں تو میں اُس کے کان بن جاتاہوں جس سے وہ سُنتاہے اور اسکی آنکھ بن جاتاہوں جس سے وہ دیکھتاہے اور اُس کا ہاتھ بن جاتاہوں جس سے وہ پکڑتاہے ۔ اور پاؤں بن جاتاہوں جس سے وہ چلتاہے پس وہ مجھ ہی سے سُنتاہے، مجھ ہی سے دیکھتاہے، مجھ سے پکڑتاہے، مجھ ہی سے چلتاہے۔

بس جب یہ حالت ہوجاتی ہے تو بندہ کا دل صاف شفاف آئینہ کے مانند ہوجاتاہے اور اس کے قلب پر حقائق کی صورتیں منعکس ہوتی ہیں اور اس کی کوئی فراست غلط نہیں ہوتی ۔ کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتاہے تو وہی چیز دیکھتاہے جو حقیقت میں ہوتی ہے ۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ سُنتاہے تو وہی چیز سُنتاہے جو حقیقت میں ہوتی ہے ۔ اور یہ علمِ غیب نہیں ہے بلکہ اللہ جل شانہٗ اُس کے دل میں ڈال دیتے ہیں ۔ اور جب قلب پر نور غالب ہوجاتاہے تو اُس کا فیضان اعضاء پر بھی ہوتاہے اور وہ نور دل سے آنکھ کی طرف آتاہے، پھر اس آنکھ سے اس نورِ قلب کے موافق نظر آتاہے ۔

حضور اقدس صلّی اللہ علیہٖ آلہٖ وسلّم نے مکّہ سے بیت المقدس کو دیکھ لیا۔ مدینہ منوّرہ میں خندق کھودتے وقت شام کے حالات اور شہر صنعاء کے شہر پناہ کے دروازے اور مدائن کسریٰ کو دیکھ لیا اور جب غزوۂ موتہ میں امراء کی شہادت ہوئی تو حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہٖ آلہٖ وسلّم نے مدینہ میں رہ کر دیکھ لیا ۔ اور نجاشی کی جب حبشہ میں موت ہوئی تو مدینہ میں آپ پر منکشف

ہوگیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ساریہؓ کو جب وہ نہاوند میں لڑ رہے تھے دیکھ لیا تھا اور مدینہ میں منبر پر سے آواز دی ۔ اور کچھ لوگ جب قبیلہ مذحج سے ان کے پاس آئے ان میں اشتر نخعی بھی تھا تو بہت غور سے اُوپر سے نیچے تک اُس کو دیکھا اور پُوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مالک بن حارث ۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو قتل کرے، میں اس کی وجہ سے مسلمانوں پر بہت پریشانی دیکھتاہوں (یہ قاتلین عثمانؓ کے لیڈروں میں تھا) ۔ اور مسجدِ حرام میں ایک دفعہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا، امام محمدؒ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ یہ بڑھئی ہے ۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لوہار ہے ۔ پھر دونوں نے اس سے پُوچھا ۔ اُس نے کہا کہ پہلے مَیں لوہار تھا، اب بڑھئی کا کام کرتاہوں ۔ حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک نوجوان رہتا تھا جو دوسروں کے قلبی خطرات بتادیتا تھا ۔ حضرت جنیدؒ سے اس کا ذکر کیا گیا ۔ حضرت جنیدؒ نے اس سے پُوچھا کہ یہ لوگ تیری طرف سے کیا نقل کرتے ہیں؟ اُس نے کہا کہ صحیح ہے، آپ بھی کوئی چیز سوچیئے ۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سوچ لیا ۔ اُس نے کہا کہ یہ یہ سوچا ۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ غلط ہے ۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ یہی ہوا کہ حضرت جنیدؒ نے کچھ سوچا اور اُس نے بتایا اور حضرت جنیدؒ نے کہدیا کہ غلط ہے ۔ تین دفعہ کے بعد اُس نے کہا کہ یہ بڑی عجیب بات ہے آپ تو بالکل سچّے ہیں اور مَیں اپنے قلب کی حالت سے زیادہ واقف ہوں تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے تینوں دفعہ صحیح کہا مگر میں نے تمہارا امتحان لیا تھا ۔ اور ابوسعید خرّاز فرماتے ہیں کہ ایک دن مَیں مسجدِ حرام میں داخل ہوا، اِتنے میں ایک فقیر بھی داخل ہوا ۔ جو دو پُرانی چادریں اوڑھے ہوئے

تھا، کچھ مانگ رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے لوگ دُنیا پر بوجھ ہوتے ہیں۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور کہا اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ میں نے اپنے دل میں توبہ کی تو اُس نے آواز دی اور دوسری آیت پڑھی وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔

اور حضرت عثمانؓ کے پاس ایک آدمی آیا جس کی نگاہ راستہ میں ایک عورت پر پڑ گئی تھی اور اُس نے اُس کو اچھی طرح گھور کر دیکھا تھا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور زنا کا اثر اُن کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے اُس نے کہا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نہیں لیکن فراستِ صادقہ اور تبصرہ اور برہان ہے۔ یہ فراست ہے، اور وہ ایک نور ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں جس سے ان کے دل میں کسی چیز کا خیال آتا ہے اور حقیقت میں وہ ویسی ہی ہوتی ہے۔ یہ مضمون حافظ ابن قیمؒ کی کتاب الروح سے مختصراً نقل کیا گیا ہے اس میں بہت سے قصے اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں۔

اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ صـــ ۲۰۴/۱۱ میں مکاشفات کی تائید کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ فرمانبرداروں کے مونہوں کے قریب ہو اور جو کہیں اُس کو سُنو کیونکہ ان پر امور صادقہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ امور صادقہ جن کی خبر حضرت عمرؓ نے دی ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر منکشف فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کے لئے مخاطبات اور مکاشفات ہیں ا۔ھ۔

حضرت امام اعظمؒ کے ماءِ مستعمل کے سلسلہ میں دو قول مشہور ہیں

اوّل نجاست کے قائل تھے جب ماءِ مستعمل کالا نظر آتا اور گناہ دھلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ امام صاحبؒ نے بڑی دعائیں کیں کہ یا اللہ میں لوگوں کے معاصی پر مطلع ہونا نہیں چاہتا۔ دعا قبول ہو گئی اور کشف جاتا رہا تو امام صاحبؒ نے بھی نجاست سے طہارت کی طرف رجوع کر لیا۔

شطحیات

بعض اہلِ حال سے غلبۂ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے (التکشف ص۵۱۹) بے اختیاری کی حالت میں جو غلبۂ وارد کی وجہ سے قواعد کے خلاف کوئی بات منہ سے نکل جائے وہ شطح ہے اس شخص پر نہ گناہ ہے نہ اُس کی تقلید جائز ہے (تعلیم الدین ص۱۶۱)

اکابر کے کلام میں بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن پر ظاہر بیں کفر تک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ اِس قسم کے الفاظ غلبۂ شوق یا سکر کی حالت میں نکل جائیں تو وہ نہ موجبِ کفر ہیں نہ موجبِ تقلید۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جیسا کہ ایک آدمی سفر میں جا رہا ہو اور اُس کی اُونٹنی پر اُس کا سارا سامان کھانے پینے کا ہے۔ اور ایسے جنگل میں جو بڑا خطرناک ہلاکت کا محل ہے تھوڑی دیر کو لیٹا، ذرا آنکھ لگی، اور جب آنکھ کھلی تو اُس کی اُونٹنی کہیں بھاگ گئی۔ وہ ڈھونڈتا رہا اور گرمی اور پیاس کی شدت بڑھ گئی تو وہ اس نیت سے اسی جگہ آکر لیٹ گیا کہ مر جاؤنگا، اور بانہہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا، آنکھ لگ گئی اور تھوڑی دیر میں آنکھ کھلی تو اُس کی اُونٹنی پاس کھڑی تھی، اُس پر سارا سامان کھانے پینے کا موجود تھا۔ اُس وقت میں اُس کی خوشی کا کوئی انداز نہیں کر سکتا اور خوشی میں کہنے لگا اے اللہ تو میرا بندہ میں تیرا رب۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ شدتِ فرح سے چوک گیا۔ یہ روایت

بخاری مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت انسؓ سے مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ حضرت تھانویؒ التشرف ص۱۰۱ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مغلوب کی غلطی معاف ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلطی کو نقل کر کے نکیر نہیں فرمائی۔ اگرچہ وہ فرح ہی سے ہو جو کہ ایک حالت ناشی عن الدنیا ہے تو بھلا جو محبت اور شوق سے مغلوب ہو اُس کا تو کیا پوچھنا ہے جو کہ ناشی عن الدین کیفیات میں سے ہے۔ انتہیٰ۔ نیز حضرت عائشہؓ کا اس قصہ میں جب کہ ان پر تہمت لگائی گئی تھی، روایت ہے کہ جب ان کی براءت قرآن مجید میں نازل ہوئی تو ان کی والدہ نے کہا کہ اُٹھو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ (یعنی بطریق ادائے شکریہ سلام کے) یہ اُس وقت جوش میں تھیں کہنے لگیں واللہ میں اُٹھ کر نہیں جاؤں گی، اور میں بجز خدا تعالیٰ کے کسی کا شکر ادا نہیں کرونگی اُسی نے میری براءت نازل فرمائی ہے (اور سب کو تو شبہ ہی ہو گیا تھا) روایت کیا اس کو بخاری مسلم، ترمذی، نسائی نے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں بعضے بزرگوں سے نظماً یا نثراً بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا ظاہری عنوان موہم گستاخی ہے۔ اگر یہ غلبۂ حال میں ہو تو اس کو شطح اور ادلال کہتے ہیں۔ حضرت صدیقہؓ کا یہ کہنا اسی قبیل سے ہے جس کا منشا ایک خاص سبب سے شدتِ غم ہے وہ یہ کہ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی بمقتضائے بشریت وعدمِ علمِ غیب اس معاملہ میں متشوش و متردد تھے اور حضرت صدیقہؓ کو اس تردد کی اطلاع تھی، پس ان کو یہ قلق تھا کہ افسوس آپؐ کو بھی شبہ ہے۔ پس براءت کے نزول پر ان کو جوش آیا اور یہ جواب اُن سے صادر ہوا۔ چوں کہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہٖ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ حدیث سے اہلِ شطح و ادلال کا معذور ہونا ثابت ہوگیا۔ (التکشف ص۹۰۶)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ہم سے راضی ہوتی ہو یا خفا ہوتی ہو ہم پہچان لیتے ہیں حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب تم راضی ہوتی ہو قسم کھاتی ہو محمدؐ کے رب کی، اور جب ناراض ہوتی ہو قسم کھاتی ہو ابراہیمؑ کے رب کی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ سچ فرمایا آپ نے مگر میں صرف نام ہی چھوڑتی ہوں فقط۔

یہ محبت اور ناز و انداز کے قصے ہیں۔ محبت والے جانتے ہیں کہ حضورؐ کو یہ چیز بھی محسوس ہوئی کہ وہ کس طرح قسم کھاتی ہیں۔ اور یہ بھی چونکہ محبوبہ کا ناز تھا اس لئے اس پر نکیر نہیں ہوئی۔

خواجہ احمد جام کا قصہ مامی کنیم والا پہلے گذر چکا کہ ان کے ہاتھ پھیرنے سے نابینا کی آنکھیں اچھی ہوگئیں اور وہ "ہم کرتے ہیں، ہم کرتے ہیں" کہتے جاتے تھے۔ یعنی ہم اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ اور ارواحِ ثلثہ حکایت ۲۴۹ میں ہے جناب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی اپنی درسگاہ میں نہایت پریشان بیٹھے تھے۔ امیر شاہ خان اور چند دوسرے اشخاص بھی اس وقت پہنچ گئے۔ مولانا نے فرمایا رات مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی۔ میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا، حضور نے کچھ جواب ارشاد فرمایا میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو ظاہرا گستاخی تھی) اس کے جواب میں ارشاد ہوا بس چپ رہو بکومت (ایسی گستاخی) یہ سن کر میں خاموش ہوگیا اور بہت استغفار اور معذرت کی

بالآخر قصور معاف ہوگیا۔ حضرت نانوتویؒ نے جب یہ قصہ سنا تو گھبرا کر اٹھ گئے اور فرمایا کہ اُفوہ! مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا توبہ، توبہ، توبہ بھائی یہ انہی کا کام تھا کیونکہ وہ مجذوب ہیں، اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری تو گردن نپ جاتی۔ حضرت تھانویؒ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض مراتبِ مجذوبیت میں ایسے اقوال داخلِ ادلال ہوکر عفو فرمادیئے جاتے ہیں۔ اور بعض مجاذیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے۔

دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیاں ساری عمر سے کسی نہ کسی مجذوب کا مستقر رہتی ہیں۔ بہت سے مجاذیب کے قصے مشہور ہیں۔ نہ معلوم کس زمانہ سے یہ ان کا مستقر بنتا رہا۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا قصہ ہے کہ جب وہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لیجاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ میں کو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلےٰ بچھا کر بیٹھتے تھے اور اُن کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اُس کے اُوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی۔ جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لاتے تو اُن بزرگ کے لاتیں مارتے اور بُرا بھلا کہتے اور اُن کے نیچے سے مصلےٰ نکال کر پھینک دیتے، لوٹا اُٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اُٹھا کر پھینک دیتے اور یہ کر کے روانہ ہو جاتے۔ لوگ اس حرکت کو دیکھ کر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے مگر دریافت کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کرتے ہیں؟ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس

کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو یہ ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے، اُس وقت اُن کے ساتھ یوں ہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی، اب ہمیں خدا نے ہدایت کی ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحبِ اجازت ہوئے. ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے، اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے. مَیں نے جو اس کی طرف توجہ کی تو مَیں اس کے عکس ہی میں دَب گیا اور میں نے اس کو اپنے سے بہت اُونچا دیکھا۔ اب تو مَیں نہایت پریشان ہوا اور مَیں نے اس کا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اس کیلئے چھوڑ دی اور کہا کہ مَیں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں. آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور مَیں آپ کی جگہ. مگر اس نے نہ مانا. میں نے نہایت اصرار کیا مگر اُس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اَب تک کرتے رہے ہو۔ اس کو مَیں نے نہ مانا۔ اس پر اُنھوں نے میری تمام کیفیت سلب کر لی اور مَیں کورا رہ گیا۔ اب مَیں بھی بہت پریشان ہوا، اور مَیں نے کہا کہ میری کیفیت دے دو اِس پر اُس نے کہا کہ اس شرط پر واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اَب تک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب کے سامنے. مَیں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اسی مجبوری سے مَیں ایسا کرتا ہوں۔

اس کے حاشیہ پر حضرت تھانوی رح نے تحریر فرمایا ہے قولہ کیفیت سلب کر لی اقول اس سلب کی حقیقت جیسا احقر نے حضرت مولانا گنگوہی سے سُنی ہے یہ ہے کہ معمول کے قویٰ ادراکیہ وعملیہ میں ایسا تصرف کیا جاتا ہے جس سے اس میں غباوت پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی کمال اور قُرب تو کوئی زائل نہیں

کر سکتا۔ احقر (حضرت تھانوی) کہتا ہے کہ ایسی غباوت کسی مرض یا کسی دوا وغیرہ کے غلبہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے فی نفسہ کوئی ضرر بھی نہیں گو لذّت کی کمی سے قلق ہوتا ہے، البتہ بواسطہ اس لئے گاہے مضر ہو جاتا ہے کہ وہ سبب ہو جاتا ہے نشاط کی کمی کا اور وہ مفضی ہو جاتی ہے تقلیل فی الاعمال کی طرف اس لئے جہاں ایسا احتمال ہو وہاں یہ تصرّف حرام ہے اور جہاں کیفیات نفسانیہ کا غلبہ مخل ہو ضروریات واجبہ دنیویہ یا دینیہ میں وہاں یہ تصرّف طاعت ہے اور جہاں محض مصلحت مباحہ ہو وہاں مباح ہے، جیسے اس قصہ میں ہوا۔

(ارواح ثلٰثہ ص ۲۱)

یہ ناکارہ کئی سال دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کا ممبر رہا حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا معاملہ حکیم اسحٰق کٹھوری سے اس سے بھی زیادہ تیز ہوتا تھا. شروع میں تو بڑا متحیر رہا پھر کچھ دنوں بعد سمجھ میں آیا۔ بات میں سے بات نکلتی چلی آئی۔ اصل قصہ جو مجھے لکھوانا تھا وہ یہ کہ اسی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ایک مجذوب رہا کرتے تھے، دیندار نیک تھے. ایک دن اُنھوں نے رَٹ لگانا شروع کی کہ نہ مَیں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا. اور زور زور سے کہنا شروع کیا۔ لوگ اُن کو پکڑ کر قاضی صاحب کے یہاں لے گئے. قاضی صاحب بھی کوئی بزرگ آدمی تھے۔ اُنھوں نے ان مجذوب سے پُوچھا کیا کہہ رہے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ دو گھنٹے سے شیطان مجھ پر مسلّط ہے اور مجبور کر رہا ہے کہ مَیں یوں کہوں کہ تو میرا خدا میں تیرا بندہ۔ مَیں اس کو ڈانٹ کر کہتا ہوں کہ نہ تو میرا خدا اور نہ میں تیرا بندہ۔ اور مقصود ان واقعات سے یہی ہے کہ شطحیات کو سمجھے بغیر ان پر نکیر نہ کرے۔

سُکر و غشی

سُکر و غشی بسا اوقات شطحیات کا سبب ہوا کرتے ہیں اور مشائخ سلوک کے بہت سے اقوال واحوال حالتِ سکر پر محمول کئے گئے ہیں۔ اگر یہ سکر کسی ناجائز چیز سے ہو تب تو ناجائز ہونا ظاہر ہے لیکن بسا اوقات وارد قوی کی وجہ سے بھی ہوجاتا ہے کہ قلب اس کا متحمل نہ ہو۔ یہ قلب کے ضعف کا اثر نہیں ہوتا بلکہ نہایت قوی القلب بھی جب وارد اس سے زیادہ قوی ہو تو اس کی قوت کی وجہ سے بیہوش ہوجاتا ہے۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام باوجود نبیِ اولوالعزم ہونے کے خود رویتِ باری تعالیٰ کی درخواست کی مگر جب تجلّی ہوئی تو بیہوش ہوگئے۔ اور نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی قوتِ برداشت چونکہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے افضل تھی حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ نسبتِ اتحادیہ تو نزولِ وحی ہی کے وقت پیدا ہوچکی تھی اور تیرہ برس تک جن معارف ومقاماتِ عالیہ پر ترقی فرمائی تو شبِ معراج میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی یہ کہہ کر پیچھے رہ گئے ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

کہ اگر ایک بال برابر بھی اُوپر بڑھوں تو تجلّی کی روشنی میرے پر جلا دے گی۔ اور نبیِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہٖ آلہٖ وسلّم نے شبِ معراج میں آسمانوں پر .... جن عجائب وغرائب کو دیکھا اس سے کوئی تغیر اور انکسار واضمحلال جسدِ اطہر میں پیدا نہیں ہوا، ویسے ہی واپس تشریف جیسے گئے تھے۔ حضرت تھانوی

نوراللہ تعالیٰ مرقدہٗ نے التکشف صـ۵۳۰ میں فرمایا ہے کہ عقل کا مغلوب ہوجانا جیسا کبھی احوال جسمانیہ سے ہوتا ہے ایسا ہی کبھی احوالِ نفسانیہ سے بھی ہوتا ہے اور یہ اطبّاء کے نزدیک بھی ثابت اور مسلّم ہے منجملہ احوالِ نفسانیہ کے وہ احوال بھی ہیں جن سے سکر کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل مغلوب ہوجاتی ہے۔ سو جس طرح مجنون ومعتوہ شرعًا معذور ہیں اسی طرح صاحبِ سکر ومغلوب الحال بھی اپنے اقوال شطحیہ اور اپنے افعال ترکِ واجب یا ارتکاب محرم میں معذور ہے۔ اور یہ سکر بعض اوقات دوسرے کو محسُوس نہیں ہوتا جس طرح جنون وعتہ (خفیف العقل) بعض اوقات دوسرے کو محسُوس نہیں ہوتا جس سے اشتباہ ہوتا ہے۔ اور جن حضرات کے کلام میں تاویل عذر کی جاوے اُن میں ایک قرینہ منقول ہونا ان کے سکر کا ہے اور ایک قرینہ منقول ہونا ان کے فضائل وکمالات واتباعِ سُنّت کا غالب احوال میں ہے جو مضطر کریگا تاویل کی طرف ورنہ جس کا غالب حال فسق ومعصیت اور اتباع بطالت ہو وہاں کوئی حاجت تاویل کی نہ ہوگی کیونکہ احتمال غیر ناشئ عن دلیل معتبر نہیں ورنہ انکار واحتساب وسیاست کا باب ہی مسدود ہوجائے وہو باطل۔

التکشف ہی میں ہے صـ۵۰۰ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہٖ آلہٖ وسلّم کے عبداللہ بن اُبَیّ پر نماز پڑھنے اور حضرت عمرؓ کے باصرار روکنے میں لکھا ہے کہ وارد غیبی کے ظاہری اور باطنی احکام میں امتیاز کا اُٹھ جانا سُکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔ حضرت عمرؓ کے قلب پر بُغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ میں

رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے قولاً فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں جو صورتًا ادب سے مستبعد ہے۔ سو ایسی حالت میں شارع علیہ السّلام نے معذور رکھا ہے۔ پھر جب حالتِ صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرأت پر تعجب ہوا اور نادم ہوئے۔ اکابر صوفیا، کے یہاں بھی بہت کثرت سے واردات کا ظہور ہوتا ہے۔ اگر وارد ضعیف ہو اور قلب قوی ہو تو اثر محسُوس نہیں ہوتا۔ اور وارد قوی ہو اور قلب ضعیف ہو تو اُس کا اثر محسُوس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کا قصّہ مجھے تو مفصّل یاد ہے مگر اس وقت حوالہ یاد نہیں۔ البتہ تذکرۃ الرشید جلد دوم ص۳۲۱ پر درج ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کی مجلس میں بزرگوں کا تذکرہ ہو رہا تھا تو کسی نے حضرت گنگوہی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کی حالت دریافت کی تو حضرت شاہ صاحب نے یہ لفظ فرمائے کہ مولانا رشید احمد صاحب کا کیا حال پُوچھتے ہو وہ تو دریا پی گئے اور ڈکار تک نہیں لیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فتاوٰی ص۲۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ ایسے لوگ جن پر غلبۂ حال ہو اُن پر حلول واتحاد کی کچھ کیفیت غالب ہو جاتی ہے۔ اتحاد کی بعض نوع حق ہوتی ہے بعض باطل۔ لیکن چونکہ غلبۂ حال میں ہوتی ہے اور عقل غائب ہوتی ہے یا اس نے اپنے محبوب کے سوا سب چیز کو فنا کر دیا ہو اور یہ نشہ کسی ناجائز چیز سے نہ ہو تو ایسا شخص معذور ہوگا، قیامت میں اُس کو سزا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے اور اگر یہ اس سے غلطی سے ہو رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ

کے اس قول میں داخل ہوگا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا اور اس ارشاد میں وَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا اَخْطَأْتُمْ بِہٖ اور یہ جیسا کہ نقل کیا جاتا ہے کہ دو آدمی تھے، ایک کو دوسرے سے عشق تھا، محبوب دریا میں گر گیا تو عاشق نے بھی اپنے آپ کو اُس کے پیچھے دریا میں ڈال دیا محبوب نے پُوچھا کہ مَیں تو گر ہی تھا تمھیں کس نے گرایا تو عاشق نے کہا کہ میں تمھاری محبّت میں اپنے سے غائب ہوگیا اور یہ گمان کیا کہ تُو مَیں ہوں تو یہ حالت اہلِ محبّت وارادت کو بہت زیادہ پیش آتی ہے۔ حق تعالیٰ کے بارے میں اور دوسرے موقعوں پر بھی گو اس میں کچھ نقص اور خطا بھی ہے کہ وہ اپنے محبوب میں اپنی محبّت سے اور اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور مذکور میں ذکر سے اور مشہود میں شہود سے اور موجود میں وجود سے تو اس وقت اس کو تمیز نہیں رہتی اور نہ اپنے وجود کا احساس رہتا ہے۔ ان حالات میں کبھی انا الحق کہنے لگتا ہے، کبھی سُبحانی کہنے لگتا ہے اور کبھی مافی الجبۃ الا اللہ اور اس قسم کے الفاظ۔ وہ محبّت کے نشہ میں ہوتا ہے اور ایسے نشہ کی باتیں پھیلائی نہ جائیں۔ اگر اس کا نشہ کسی ممنوع وجہ سے نہ ہو۔

کلامِ صُوفیہ کا محمل خلافِ ظاہر

حضرات صوفیہ کے کلام میں ظاہر کے خلاف معنی بہت کثرت سے ہوتے ہیں اور بعضے بیوقوف رموزِ فن سے ناواقف ان پر اعتراض بھی کیا کرتے ہیں. شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے سواری مانگی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ میں تجھے اُونٹنی کا بچہ دونگا۔ اُس نے کہا یا رسُول اللہ میں اُونٹنی کا بچہ لیکر کیا کرونگا مجھے تو سواری کے لئے چاہیئے. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ ہر اُونٹ کسی اُونٹنی کا بچہ ہوتا ہے. شمائل ہی میں ایک دوسری حدیث ہے. حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسُول اللہ دُعا فرما دیجیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے جنّت میں داخل فرمائے. حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جنّت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگی. حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اس سے کہدو کہ جنّت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ حق تعالیٰ جلّ شانہٗ سب اہل جنّت عورتوں کو نوعمر کنواریاں بنادیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس قول اِنَّآ اَنْشَاْنٰھُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْکَارًا الآیۃ. میں اس کا بیان ہے جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے. یعنی ہم نے ان کو

ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں صحبت کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھتا ہوں اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے. یہ سُن کر لوگ ادھر چلے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ تقسیم ہوتے نہیں دیکھا، صرف ایک قوم کو دیکھا کہ قرآن کے پڑھنے میں لگ رہی ہے. آپ نے فرمایا یہی تو میراث ہے تمہارے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی (رواہ رزین)

حضرت تھانویؒ التکشف ص۴۷۶ میں فرماتے ہیں اکثر بزرگوں کی تقریر و تحریر میں بعض مضامین خلاف ظاہر پائے جاتے ہیں جن کی توجیہ و مُراد سُننے کے بعد بالکل صحیح و مطابق واقع کے ثابت ہوتے ہیں. کبھی اس کا سبب غلبۂ حال ہوتا ہے کبھی قصداً اخفاءِ عوام سے کبھی تشویق و ترغیب طالب کی کہ ابہام سے شوق تعیین ہوتا ہے اور بعد شوق جو تعیین ہوتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے. اس حدیث میں اِس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے مصلحت تشویق کے لئے اوّل ابہاماً فرمایا جس سے ایہام معنی غیر مقصود کا ہوا حتیٰ کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی. مگر بعد تفسیر معلوم ہوا کہ کلام صادق ہے پس عبارات موہمہ دیکھکر کسی صاحب کمال یا صاحبِ حال پر جرح قدح نہ کرے کہ مثمر حرمان ہے. نیز حضرت اُبی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جن کا گھر مدینہ میں بہت دور تھا مگر کوئی نماز اُن کی جناب رسُول اللہ صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ فوت نہ ہوتی ہم

لوگوں کو ان کے حال پر ترس آیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میاں فلانے کیا خوب ہو اگر تم ایک دراز گوش خرید لو کہ تم کو گرم کنکر اور پتھر سے بچائے اور حشرات الارض سے بھی حفاظت رہے وہ شخص کہنے لگے یاد رکھو میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میرا گھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلّم کے دولت خانہ سے متصل ہو حضرت اُبی ؓ فرماتے ہیں کہ اس کہنے کا مجھ پر بارِ عظیم ہوا حتی کہ میں رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں حاضر ہوا اور سب قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے اُن کو بُلایا، اُنہوں نے ویسا ہی جواب دیا اور یہ عرض کیا کہ مَیں اپنے قدم کی چلنے میں امید ثواب کی رکھتا ہوں۔ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلّم نے اُن سے فرمایا کہ تم کو وہی ملیگا جس کا تم خیال رکھتے ہو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مثلِ سابق اس میں بھی وہی تقریر ہے جو ابھی اس سے اوپر کی حدیث کے ذیل میں گذری۔ دیکھئے ان انصاری صحابی نے ایسے عنوان سے یہ مضمون ادا کیا جس کے الفاظ نہایت ناگوار تھے اور اسی وجہ سے حضرت اُبی ؓ پر گراں گذرا، عجب نہیں کہ اپنے اخلاص کے اخفاء کے لئے اس طرز کو اختیار کیا ہو یا اس طرح کی اور کوئی مصلحت ہو۔ آخر حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلّم کے دریافت فرمانے پر مقصود اصلی واضح ہوا۔ آپؐ سے اخفاء کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ایک حدیث قُدسی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض لوگوں سے فرمائیں گے کہ مَیں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ عرض کریگا اے پروردگار مَیں تیری عیادت کیسے

کرسکتا ہوں، آپ تو ربّ العالمین ہیں (یعنی آپ کو بیماری سے کیا واسطہ) ارشاد ہوگا کہ تجھ کو خبر نہیں ہمارا فلانا بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ تجھ کو خبر نہیں، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ پھر اسی طرح حدیث میں کھانا مانگنے کا اور پانی مانگنے کا ذکر آیا ہے (یعنی ارشاد ہوگا کہ ہم نے تجھ سے کھانا مانگا، پانی مانگا، وہ بندہ وہی عرض کریگا اور وہی جواب ملے گا) اور ان دونوں میں جواب یہی ہے کہ تو مجھکو اس کے پاس پاتا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایسی تعبیریں مجاز ہوا کرتی ہیں حقیقت پر محمول کر کے عقائد خراب نہ کئے جاویں۔ قرآنِ پاک میں تو اس قسم کی بہت سی آیتیں اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ اور وَكَانَ وَرَآئَهُمْ مَلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ، وَقَدْ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰه وارد ہوئی ہیں۔

اُمّ الامراض "تکبّر"

اس ناکارہ کا ارادہ تو بہت کچھ لکھنے کا تھا۔ ذہن میں بھی بہت کچھ تھا، مگر اس مرتبہ مدینہ پاک حاضری کے بعد سے طبیعت مسلسل خراب ہی چل رہی ہے بلکہ ہندوستان میں بھی خراب ہی رہی اور خوب خراب ہی خیال یہ تھا کہ حسبِ دستور مدینہ پہنچ کر طبیعت درست ہو جائے گی۔ مگر اس سال مدینہ پاک حاضری کے بعد سے بھی مسلسل خراب ہی چل رہی ہے اس لئے اس رسالہ کو شروع کرنے کے بعد بھی کئی مرتبہ التواء کا ارادہ کیا مگر دوستوں کے اصرار سے بالکل بند تو نہ ہوا لیکن کئی کئی روز بلکہ ہفتہ عشرہ تک بھی بند کرنا پڑا اور اب تو طبیعت مسلسل خراب رہنے لگی اس لئے دو مضمون لکھ کر رسالہ کو ختم کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ یہ دونوں مضمون شروع ہی سے ذہن میں تھے کہ اختتام ان دونوں مضمون پر کرنا ہے، ایک اُمّ الامراض تکبّر اور دوسرا اکابر کی شان میں گستاخی۔ کہ یہ دونوں مضمون شریعت اور طریقت دونوں ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اُمّ الامراض کا نام بھی میں نے اپنے ایک دوست مخلص صوفی اقبال کے رسالہ سے لیا کہ اُنھوں نے اُمّ الامراض تکبّر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا پہلا ایڈیشن تو شائع ہو کر ختم بھی ہو گیا۔ دوسرا اب شائع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر تو ارادہ ہوا تھا کہ اس مضمون کو ان پر حوالہ کر دوں مگر دوستوں کا اصرار ہوا کہ ہر شخص کا طرزِ تحریر الگ ہوتا ہے تو اس مضمون کو اپنے رسالہ میں ضرور لکھ۔ میں نے کئی سال

پہلے اپنے کسی رسالہ میں ایک مضمون بہت تفصیل سے لکھا تھا کہ معاصی دو طرح کے ہوتے ہیں، حیوانی اور شیطانی۔ اور اس میں یہ بھی تفصیل سے بیان کیا تھا کہ اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں حیوانی معاصی اُس کی رحمت سے بہت جلد معاف ہو جاتے ہیں۔ بہت مشہور حدیث ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ قال و ان زنی و ان سرق قال و ان زنی و ان سرق۔ اور اس کو بہت ہی مدلل قرآن و حدیث سے لکھا تھا۔ مگر چونکہ میری عادت ہمیشہ یہ رہی کہ میں اپنی تالیفات کو اپنے احباب بالخصوص مولانا عبد الرحمٰن صاحب، قاری سعید احمد صاحب مرحومین کو لفظ لفظ دکھلایا کرتا تھا اور جس کو وہ قلمزد کر دیتے چاہے وہ میری رائے کے خلاف ہو زبانی تو اُن سے لڑ لیا کرتا تھا مگر تحریر میں وہی رہتا تھا جس کو وہ منظور کرتے یہ تو مجھے یاد نہیں رہا کہ کس مسودہ میں تھا۔ ان دونوں دوستوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس مضمون سے معاصی شیطانیہ کی اہمیت تو پیدا نہیں ہونے کی، حیوانیہ کی اہمیت جاتی رہیگی۔ اس لئے اس وقت تو نہ ہو سکا مگر اس رسالہ کے مناسب کبر کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ یہ سارے معاصی میں صرف میری نگاہ میں نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے ارشادات میں سخت ترین مرض ہے اور طریقت میں تو بہت ہی مہلک ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بہت اہمیت سے مستقل کتاب اس کے بارے میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ کبر کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ الآیۃ (میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ

ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا اُن کو کوئی حق حاصل حاصل نہیں۔ {سورۃ اعراف رکوع ۱۷ بیان القرآن} کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا حق اُس کا ہے جو واقعہ میں بڑا ہے اور وہ ایک خدا کی ذات ہے (بیان القرآن) دوسری جگہ ارشاد ہے کَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پُورے قلب پر مُہر کر دیتے ہیں (بیان القرآن) اور ارشاد ہے وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِیْنَ (یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (بیان القرآن) اور ارشاد ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرلوں گا جو لوگ میری عبادت سے (جس میں دُعا بھی داخل ہے) سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے (بیان القرآن) اور تکبر کی مذمت قرآن پاک میں بہت زیادہ آئی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے تو جو کوئی

شخص ان دونوں چیزوں میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑا کرے گا اُس کو جہنم میں ڈال دوں گا اور ذرا پرواہ نہیں کرونگا۔ اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو مُنھ کے بل جہنم میں ڈال دیگا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے نفس کو بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ جبارین میں لکھدیا جاتا ہے اور جو عذاب ان کو ہوتا ہے وہی اس کو بھی ملتا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جس کے دو کان ہوں گے جن سے وہ سُنے گی اور دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھے گی، اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گی وہ کہے گی کہ میں تین آدمیوں پر مسلط ہوں۔ ہر متکبر ضدی پر اور ہر اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو اور تصویر بنانے والے پر۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت اور دوزخ میں مناظرہ ہوا۔ جہنم نے کہا کہ میں ترجیح دی گئی ہوں متکبر اور جبار لوگوں کے ساتھ۔ اور جنت نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ ترجیح دی گئی ہوں جو کمزور اور گرے پڑے اور بھولے بھالے ہوں گے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے انتقال کے وقت اپنے دو صاحبزادوں کو بُلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں دو چیزوں کا

حکم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، شرک اور کِبر
سے (الحدیث) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ قیامت کے دن جبّارین اور متکبّرین
کو چیونٹیوں کے برابر کر دیا جائے گا، لوگ ان کو روندتے ہوئے
جائیں گے۔"

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بہت سی روایات اور آثار کِبر کی بُرائی
کے ذکر کئے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ان میں سے چند بطورِ
نمونہ لکھواتا ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد ہے (ارشاد الملوک صـ۱۱۴ میں اس کو
مرفوعاً نقل کیا ہے) کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے
نزدیک کبیر ہے۔ حضرت وہب فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنّتِ عدن
کو پیدا کیا تو اس کی طرف توجّہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو ہر متکبّر پر حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ جلّ شانہٗ اُس شخص کی
طرف نگاہ بھی نہیں کرتے جو اپنی ازار (لُنگی وغیرہ) کو متکبّرانہ گھسیٹتے ہیں اور
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص جبکہ اکڑ کر دو چادریں
پہنے چل رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اچھا لگنے لگا تو اللہ نے اُس کو زمین میں
دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ اور حضرت مطرفؒ
بن عبد اللہ نے دیکھا کہ مہلّب ریشمی جبّہ میں اکڑ کر چل رہا تھا، انھوں نے
اس سے کہا کہ اے اللہ کے بندے یہ چال (اکڑ کر چلنا) اللہ تعالیٰ اور اُسکے
رسولؐ کو ناپسند ہے تو مہلّب نے کہا کہ تو مجھ کو پہچانتا نہیں کہ کون ہوں؟ انھوں نے

کہا خوب پہچانتا ہوں تیری ابتدا منی کا قطرہ تھی اور تیرا آخر مُردار ہوگا جس
سے ہر شخص گھن کریگا۔ اور تو ان دونوں حالتوں کے درمیان میں اپنے
پیٹ میں نجاست لئے پھرتا ہے۔ مہلّب اکڑ کی چال چھوڑ کر روانہ ہوگیا۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے بندہ جب تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
اُس کا مرتبہ بلند فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بلند ہو۔ اور جب تکبّر کرے
اور اپنی حد سے بڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کو گرا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو ذلیل
ہو۔ پھر وہ اپنی نگاہ میں تو بڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ
لوگوں کی نگاہ میں سور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مسجد کے دروازہ پر
یہ آواز دے کہ تم میں جو سب سے بُرا ہو وہ باہر نکل آئے تو خدا کی قسم مجھ سے
کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کو جب یہ مقولہ پہنچا تو
فرمایا کہ اسی بات نے تو مالک کو مالک بنا رکھا ہے۔

عزیزم صوفی اقبال نے "اکابر کے سلوک" صـ۴۰ میں حضرت گنگوہیؒ
کا ایک ارشاد نقل کیا ہے۔ پہلے بزرگ اخلاقِ سیئہ کے چھڑانے کی محنتیں
کرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام آسان ہو جائے مگر متأخرین نے خصوصاً ہمارے
سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق
ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔ اخلاقِ سیّئہ
بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کر دیا ہے، پھر دسوں کا خلاصہ تکبّر
کو بتایا ہے۔ اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کوئی شخص بیسؔ سال رہا۔ ایک روز

عرض کیا کہ اتنی مُدّت میں مجھے آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے فرمایا اچھا ایک بات کرو، اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مارے گا اُس کو ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو مارے گا تو دو دونگا۔ اسی طرح زیادہ کرتے جاؤ۔ جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی رہ جائے تو میرے پاس آؤ۔ اس شخص نے کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ یہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدق دل سے پڑھ دے تو واللہ مؤمن ہو جائے۔ مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافرِ طریقت ہو گیا، جا نکل جا تجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی۔ شیخ نے فرمایا کہ میاں درستی سے تمھارا کیا مقصود ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملیگی آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا، شیخ نے فرمایا بس اس نیت ہی کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے، اس بیہودہ خیال کو جی سے نکال دو اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے، پس اس اُمید پر جو لوگ ذکر و شغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ ان کی حماقت ہے، ان کی نیت میں فساد ہے۔ کیسا نفع، کہاں کا اجر۔ یہ ہستی، یہ جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان یہ زبان، یہ حواس حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں، پہلے ان کے شکریہ سے تو

فراغت ہولے تو دوسرے نفع اور اُجر کی توقع کرے۔ (تذکرۃ الرشید ص۱۳/۲۸)

چونکہ یہ راستہ (سلوک و معرفت) حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے اس لئے شیطان بھی اس راستہ پر چلنے والوں کی کوششوں کو بیکار کرنیکی پُوری پُوری کوشش کرتا ہے اس طرح سے کہ ظاہری معروف گناہوں سے پرہیز اور تقوٰی اور عبادات کی کثرت کو اپنی جگہ ہونے دیتا ہے لیکن اندر ہی اندر اُمّ الامراض یعنی کبر کو بڑھاتا رہتا ہے جس سے سب کیا کرایا ضائع ہو جاتا ہے۔ (اکابر کا سلوک)

اکمال الشیم ص۹۵ میں لکھا ہے کہ جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبّر ہے کیونکہ تواضع کا دعوٰی تو اپنی رفعتِ قدر کے مشاہدہ کے بعد ہوگا پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعوٰی کیا گیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو تو متکبّر ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر میں اس درجہ ہو کہ اپنی رفعتِ شان یا کسی منصب و جاہ کا وسوسہ تک بھی نہ ہو۔ سر سے پا تک اپنے آپ کو خوار و ذلیل دیکھے اور جس کا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعوٰی کسی بات کا نہ کریگا نہ تواضع کا اور نہ کسی صفتِ محمود کا اس لئے کہ دعوٰی جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

حقیقت میں متواضع وہ نہیں ہے کہ جب کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو بلند اور بالاتر سمجھے بلکہ متواضع وہ ہے کہ جب تواضع کرے تو اپنے آپ کو اس سے کمتر اور پست خیال کرے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز و انکساری اور تواضع کا کام کرے وہ متواضع ہے۔ جیسے کوئی

امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اس کو کہتے ہیں کہ بیچارے بڑے منکسر مزاج ہیں۔ حالانکہ بعض مرتبہ اس شخص کے اندر تواضع شمہ برابر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ متواضع اور غیر متواضع کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ متواضع درحقیقت وہ نہیں ہے کہ جب وہ کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اس کام سے بلند اور بالاتر ہوں۔ مثلاً کرسی چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر و منزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں لائق تو اسی کے تھا کہ کرسی پر بیٹھوں لیکن یہ میں نے تواضع اختیار کی ہے اور بہت اچھا کام کیا تو یہ شخص متکبر ہے کہ اس کے دل میں اپنی قدر و منزلت ہے بلکہ متواضع وہ ہے کہ وہ ہے کہ تواضع کا کام کرکے اس کام سے اپنے آپ کو پست اور ذلیل جانے مثلاً فرش پر بیٹھا اور یہ جانے کہ میں تو ایسا خوار ہوں کہ اس فرش پر بھی بیٹھنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں۔ یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کی یہ کیفیت ہو کہ اس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فخر سمجھے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ جانے۔

یہ طویل مضمون ہے جو مختصر لکھدیا گیا۔ بہرحال میرا بھی جی اس کو مفصل لکھنے کو چاہتا تھا مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے یہیں ختم کر رہا ہوں۔ کبر کا مسئلہ شریعت میں بہت سخت ہے اور طریقت میں اس سے بھی زیادہ۔ اکابر کا معمول ہمیشہ دیکھا اور خوب دیکھا کہ جس کو اثنائے سلوک میں خلافت کا خیال بھی آجاتا تھا وہ حضرات اس کو باوجود حصول نسبت کے خلافت کے دینے میں بہت پس و پیش کرتے تھے اور خلافت مل جانے کے بعد بھی کبر کے

آثار شروع ہونے پر اگر تنبیہ سے کام چل جاتا تو خیر ورنہ اجازت کو منسوخ کر دیتے۔ میں نے اکابر کے بعض خلفاء کو جو بہت ذاکر و شاغل تھے اس کبر کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خلافت کے بعد اس سے بچنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر شیخ کی طرف سے خلافت منسوخ بھی نہ کی جائے تو سلسلہ نہیں چلتا اور ان کے مریدین بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس مہلک مرض سے نجات عطا فرمائے اور میرے دوستوں کو خاص طور سے اور جملہ سالکین کو محض اپنے فضل و کرم سے بہت ہی محفوظ رکھے بہت ہی خطرناک معاملہ ہے۔ کبر کا معاملہ تو بڑا ہے لیکن اس سے بھی بہت ہلکی چیز جو عجب ہے وہ بھی نہایت قابلِ احتراز ہے۔ کیونکہ اس کے نتائج بھی بسا اوقات ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی عجب کی بدولت غزوۂ حنین میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے کے باوجود صحابۂ کرامؓ کو سخت پریشانی اٹھانی پڑی۔

سورۂ توبہ میں آدھے پارہ کے قریب تیسرے رکوع میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بیان القرآن میں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حنین کے دن بھی جس کا قصہ عجیب و غریب ہے تم کو غلبہ دیا جبکہ یہ واقعہ ہوا تھا کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرور ہو گیا تھا۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی۔ اور کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ تم پر زمین باوجود اپنی اس فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر آخر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قلب پر اور دوسرے مؤمنین کے قلوب پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی۔

اور مرتدین کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا ارشاد کہ مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے۔

مرتدین کی لڑائی میں اوّل طلیحہ کذاب سے معرکہ ہوا جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے کچھ مارے گئے خود طلیحہ بھی بھاگ گیا اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اس کے بعد مسیلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی۔ جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا، ہزاروں آدمی اس کی جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم طلیحہ کذاب سے فارغ ہوگئے اور اُس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے (میں نے کہہ دیا تھا) بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز؟ یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نمٹ چکے ہیں (یعنی طلیحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوعِ آفتاب سے لیکر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت خالدؓ خود اقرار کرتے ہیں کہ ایک جملہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اسی وجہ سے حضرات خلفاء راشدین جب کسی فوج وغیرہ کو کامیابی کی مبارکباد دیتے تھے تو بڑی تاکید اسکی فرماتے تھے کہ عجب پیدا نہ ہو۔ اعتدال ص۱۲۱ پر اس کے بہت سے قصے لکھے ہیں۔

اس کے بالمقابل عجز و انکساری اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ اور محبوب ہے جو ہمیشہ انبیاء و اولیاء عظام کا شعار رہا ہے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر مبارک

جھکا ہوا تھا سراپا عجز و انکسار تھے۔ ایک ایک ادا سے تواضع و عفو کا ظہور ہو رہا تھا حالانکہ یہ اس وقت کے سب سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں سب سے بڑی فتح تھی اسی کا ثمرہ تھا کہ سرکش اور حد درجہ معاند مطیع و منقاد ہوتے چلے گئے اور ان کو یقین ہوگیا کہ پروردگار عالم کی طرف سے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا شفقت و رحمت ہیں اور بہت بڑی دولت و نعمت (ایمان) ہم کو عطا فرماتے ہیں اور یہ کہ یہ اقتدار اور ملک گیری کی جنگ نہیں۔

"اسیر مالٹا" ص۱۵۹ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غربا، اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لباس، چال، معاملات وغیرہ اس قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہلِ دنیا اور امرا اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے۔ طالب علموں سے بے حد اُنس تھا، ریل میں تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے مگر بایں ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی۔ سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے، کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی، عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا۔ سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور اُن سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بنانا وضعداری تکلف سے طبعی نفرت تھی۔ بارہا حضرت مولانا نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ عوام الناس کا بیت الخلاء (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے یعنی وہ پائخانے جو خواص اور اُمراء کیلئے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پائخانوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کو

اپنی تعلّی مرغوب ہے۔ وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام
برائیوں اور دنیا و آخرت کی روسیاہی کی جڑ ہے۔ اس لئے اہل اللہ اور کاملین
حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلّی اور اس کا تفوّق محسوس
کرتے ہیں، اس کو بُرائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسرِ نفسی اور ذلّتِ
ظاہری نظر آتی ہے اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ظاہری بدبو اور کثافتِ مادّی
معنوی بدبو اور کثافتِ روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی حیثیت
رکھتی ہے۔ امراء کا بیت الخلاء نفس میں عجب اور رعونت پیدا کرتا ہے
اور عوام النّاس کا بیت الخلاء یہ چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ برخلاف اس کے
تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدرے اپنی حالت
اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے۔ جب پائخانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے
اوضاع، اطوار مکانات البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمالیجئے فرماتے
تھے کہ فقہاء نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے۔ شراح فرماتے ہیں
کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف اور ان کی دل شکنی کی جائے مگر
کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا
ہو۔ میری سمجھ میں تو آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اس میں بہت زیادہ ہوتی
ہے اور اس پر نہایت شاق بھی گذرتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک
شخص نے پاؤں دھویا ہے دوسرا آتا ہے اور اُس پانی کو منھ اور ناک میں ڈالتا
ہے اور اس سے چہرہ کو دھوتا ہے۔ اس لئے نفس امّارہ والے اور بڑے بڑے
دنیادار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے۔ غالباً
حوض میں وضو کرنا اسی بناء پر نہایت افضل ہے۔ واقعیت تو یہ ہے کہ

یہ دونوں اُستاد شاگرد یعنی حضرت مولانا نانوتویؒ قدس اللہ سرّہٗ اور حضرت
مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات
میں فروتنی، نفس کشی، خمول، تواضع انکساری ہوتی ہے اس کیلئے از حد
کوشاں ہوتے تھے اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی شہرت
تعلّی، خودداری ہوتی تھی، اس سے کوسوں دور بھاگنے کی فکر کرتے تھے، پھر یہ بھی
نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو یوں تو ہم سبھوں
کی حالت ہے کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترینِ خلائق، سگِ دُنیا، ذرّہٴ بے مقدار
نابکار، ننگِ خلائق وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، مگر یہ سب کارروائی
عامۃً منافقانہ اور ریاکاری کی بناء پر ہوتی ہے۔ قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں
ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہی خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ "ہم چو من دیگرے
نیست" اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی، اُن کی نکتہ چینی، غیبت
وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی
بھلائی سُن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے ان میں
عیب نکالے جاتے ہیں، کوشش کی جاتی ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے
ساقط ہو جائے۔ اگر کوئی ہم کو جاہل، نالائق، احمق، گدھا، کتّا، سور وغیرہ
کہدیتا ہے تو آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ ہم کمترینِ خلائق کہنے میں سچّے تھے تو
گدھا، کُتّا وغیرہ کہنے سے کیوں بُرا مانتے ہیں، آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہیں فقط۔
اور مجھے تو سینکڑوں دفعہ اس کو بھگتنا پڑا کہ جب کبھی عجب و تکبّر
کا (زبان سے نہیں) دل میں بھی جب کوئی اس قسم کا خیال گذرا تو اسے خوب
بھگتنا پڑا۔ ۱۳۸۲ھ کی مظاہر علوم کی اسٹرائک نے اس ناکارہ کو تعلیم

تدریس سے بالکل ہی بے رغبت کر دیا بلکہ گویا پڑھانا ہی چھوڑ دیا۔ اس اسٹرائک میں مفسدین اور فتنہ پردازوں کی طرف سے غداری، جھوٹ جھوٹی قسمیں اور بہت کچھ پیش آیا مگر اس ناکارہ کے مزاج میں چونکہ ہر واقعہ میں مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ کے مطالعہ کا قدیم معمول ہے، اس اسٹرائک کے ظاہری اسباب تو جو بھی کچھ ہوں مگر حضرت خالد بن ولیدؓ کے ارشاد کے موافق اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ پر غور کرنے سے امور ذیل ظاہر ہوئے۔

(۱) اس حادثہ سے تقریبًا ایک ہفتہ پہلے ہمارے ایک مدرس کے سبق میں کسی مدرسہ کی اسٹرائک کا ذکر آگیا تو بڑے جوش میں کہدیا کہ مظاہر میں کبھی اسٹرائک ہوتی نہیں۔

(۲) اس حادثہ کی ابتدار مدرسہ کی شاخ سے پیدا ہوئی کہ ایک غیر مسلم نے ایک مُخرَج طالب علم کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم متفق ہو جاؤ تو مدرسہ والے تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس طالب علم نے شاخ کے کواڑ بند ہونیکے بعد طلباء کو جمع کیا اور بہت آبدیدہ ہو کر تقریر کی۔ مجھے علی الصباح اس کا حال معلوم ہوا تو میں نے ناظمِ شاخ کو بلا کر پوری بات سُنائی۔ ناظم صاحب نے کہا کہ جناب بالکل بے فکر رہیں وہ کچھ نہیں کر سکتا، میں ابھی جاکر اس کا انتظام کرتا ہوں۔ میں نے بار بار ان کو متوجہ بھی کیا مگر وہ بڑے زوروں پر تھے۔

(۳) جب اس ہنگامے نے کچھ طول پکڑا اور شاخ سے مظاہر علوم

میں منتقل ہوا اور اہلِ شوریٰ مشورہ کیلئے بیٹھے تو اس ناکارہ نے بڑے زور سے کہا کہ دورہ کا کوئی طالبِ علم تو اس میں شریک ہے نہیں۔ ہمارے مدرسہ کے نائب مہتممِ تعلیمات مولٰینا عبد المجید مرحوم نے بہت دبی زبان سے کہا کہ حضرت دورے والے بھی ہیں۔ اس احمق نے پہلے سے زیادہ زور سے کہا کہ دورہ کا کوئی طالبِ علم نہیں ہو سکتا۔ مگر تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ دورہ والوں میں سے شاید ہی کوئی باقی رہا ہو۔ اور زیادہ حیرت اور قلق اس پر ہوا کہ میرے مخلص دوست جو ہمہ تن اپنے آپ کو مخلص ظاہر کر رہے تھے اور ناظم صاحب کے مخلص خدام میں تھے ظاہر میں ہم سے ملتے رہے اور اندر خانہ فسادیوں کے ساتھ رہے۔ اور میرے اس زور کا مبنٰی یہ تھا کہ میں ہمیشہ دورہ کے سبق میں طلباء کے حق میں ان کے مقام کے متعلق ان کے نائبِ رسُولؐ ہونے کا اور عنقریب مقتدائے قوم بننے کا تذکرہ تو ہمیشہ سے کرتا رہتا تھا۔ اس سال میں نے خاص طور سے بخاری شریف کے سبق میں سال کے شروع سے ہر سبق میں مستقل اس پر زور دینے کا اہتمام کر رکھا تھا اور اپنی نااہلیت سے یہ سمجھ گیا تھا کہ طلباء بہت متأثر ہیں مگر جب ان کے تأثر کا پسِ منظر دیکھا تو بار بار میری زبان پر آتا تھا ؎

وہ محرومِ تمنّا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

اب تک بھی جب وہ منظر یاد آجاتا ہے تو اپنی ہی کوتاہی اس کا منشاء معلوم ہوتی ہے۔ اس سیہ کار میں اگر کچھ اخلاص ہوتا تو ان پر بھی اثر ہوتا۔ اس سال سے پہلے تک جب کسی مدرسہ کی اسٹرائیک اور طلباء کی زبانی ان کی مظلومیت کی داستانیں سُنا کرتا تھا تو ہمیشہ طلباء کے ساتھ ہماری ہمدردیاں ہوتی تھیں لیکن اس سال جو مناظر بہت تفصیل سے اپنی آنکھوں نے دیکھے اس کے بعد سے جب کسی مدرسہ کی اسٹرائک کا حال سُنتا ہوں تو میری ہمدردیاں تو اہلِ مدرسہ کے ساتھ ہوتی ہیں اور طلبا، کو ہمیشہ ظالم سمجھتا ہوں فالی المشتکیٰ وھو المستعان اور یہ منظر بہت ہی جذر قلب میں گھس گیا اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس سے نجات عطا فرمائے کہ تکبر ام الامراض ہے اور بڑے سے بڑے کو بھی گرا دیتا ہے۔ بہت سے مشائخ سلوک کو بھی اس مہلک مرض کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا اور حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسی کا واقعہ تو میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چُبھا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبانِ قلم پر آجاتا ہے۔ میں سالکین اور تصوّف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ یہ ہر ایک کے دل میں اُترا ہوا ہو، شیخ ابوعبداللہ اندلسی مشہور شیخ المشائخ اکابر اولیاء اللہ میں ہیں۔ ہزاروں خانقاہیں ان کے دَم سے آباد، ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری، ہزاروں شاگرد ہزاروں مریدین۔ سنہ ۳۰۰ھ کا ختم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو دو سو سال گذرے ہیں۔ خیر القرون کا زمانہ گویا موجود ہے۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک دفعہ بارادہ سفر تشریف لیگئے ہزاروں مشائخ و علماء ہمرکاب ہیں جن میں حضرت جنید بغدادی، حضرت

شبلیؒ بھی ہیں۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات و برکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گذر ہوا۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا، بستی میں پانی نہ ملا بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔ حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔ حضرت شبلی فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ تین دن کامل گذر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ حضرت شبلی کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تیسرے دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا یا شیخ آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اُس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلّط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ اے ہمارے سردار آپ اہلِ عراق کے پیرو مرشد، علم و فضل و زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رُسوا نہ کیجئے۔ شیخ نے فرمایا میرے عزیز میرا تمہارا نصیب تقدیر خداوندی ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایات کی علامات اُٹھالی گئیں۔ یہ کہکر رونا شروع کیا اور کہا اے میری قوم قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا

شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔

جب ہم نے واپس آکر یہ واقعات سُنائے تو شیخ کے مُریدین میں کہرام مچ گیا۔ چند آدمی تو اسی وقت غم وحسرت میں عالمِ آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقلب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت وافسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا۔ اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سور چرا رہا ہے۔ ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا۔ گاؤں والوں نے بتایا کہ اُس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی، اُس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔ ہم یہ سُن کر ششدر رہ گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بیساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصارٰی کی ٹوپی اور کمر میں زنار بندھا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچکر

السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی زبان سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ اے شیخ اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمھارا کیا حال ہے۔ شیخ نے فرمایا میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولٰی نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دیا تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر وغضب سے ڈرو، اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا کہ اے میرے مولٰی! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دیگا۔ یہ کہکر خدا تعالٰی سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے، ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔ خنزیر اُن کا رونا اور اُن کی دردناک آواز سُنتے ہی اُن کے پاس جمع ہوگئے اور انھوں نے بھی چلّانا اور رونا شروع کر دیا۔ اِدھر شیخ بھی زار زار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ شیخ آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأتوں سے پڑھا کرتے، اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے؟ شیخ نے کہا کہ اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا...... ایک تو یہ ہے وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ط (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اُس کو کوئی عزّت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے

کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ط (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا) حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟ شیخ نے کہا صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی مَنْ بَدَّلَ دِيْنَه فَاقْتُلُوْه (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر ڈالو) حضرت شبلی فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔ بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلاء کا کوئی سبب تھا تو شیخ نے فرمایا ہاں جب ہم گاؤں میں اُترے اور بُت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبّر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مؤمن موحّد ہیں اور یہ کمبخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمھارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو ان کو حقیر سمجھتے ہو۔ اور اگر تم چاہو تو ہم تمھیں ابھی بتلادیں۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ

میرے قلب سے نکل کر اُڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔ فقط

مجھے اس سارے قصّہ میں اخیر کا یہ مضمون لکھوانا تھا ورنہ اصل واقعہ تو آپ بیتی میں مفصّل آچکا ہے اور صوفی اقبال صاحب نے اسی سے "اکابر کے سلوک" میں نقل کیا ہے اور حکیم الیاس نے اس واقعہ کو "شیخ اندلسی کا ایک عجیب و عبرتناک واقعہ" کے نام سے مستقل رسالہ کی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔ یہ تکبّر ایسی بُری بَلا ہے کہ شیخ المشائخ تک کو بھی کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی محض اپنے فضل و کرم سے اس مصیبتِ عظمیٰ سے بچائے۔ آمین۔

اکابر کی شان میں گستاخی

آخری مضمون جو سب سے زیادہ اہم ہے اور خطرناک ہے وہ اکابر علماء ہوں یا محدثین فقہاء کرام ہوں یا صوفیۂ عظام، ان کی شان میں بے ادبی گستاخی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ الآیۃ (اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سب اُمت سے سابق اور مقدم ہیں اور بقیۂ اُمّت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ایمان لانے میں ان کے پیرو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا کہ ایمان مقبول فرمایا جس پر جزا ملے گی اور وہ سب اس اللہ سے راضی ہوئے کہ طاعت اختیار کی جس کی جزا سے یہ رضا اور زائد ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیّا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (بیان القرآن)

درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں متعدد احادیث اور آثار نقل کئے ہیں۔ اس میں امام اوزاعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے یحییٰ ابن کثیر اور قاسم اور مکحول اور عبدۃ بن ابی لبابہ اور حسّان بن عطیّہ نے حدیث بیان کی اُنھوں نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری اُمت کیلئے ہے اور رضا کے بعد ناراضگی نہیں ہے۔ اس آیتِ شریفہ کے ذیل میں صوفیائے کرام جو حدیثِ احسان کے

بھی مصداق ہیں آگئے۔ یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے گذرا ہے۔ مختصرًا اسی سے نقل کراتا ہوں البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علماءِ حق کے درپئے آزار ہیں اُن کی اہانت و تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں۔ وہ غالبًا بلکہ یقینًا علماء کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں بشرطیکہ یہ گالیاں دینے والے لوگ مقدر میں کچھ کمی کرسکنے پر قادر ہوں یا دنیاوی عزت وجاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے نقصان پہنچا سکیں۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی و دنیاوی نقصان کر رہے ہیں۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری اُمّت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالِم کی قدر نہ کرے۔ اس ارشادِ نبویؐ کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے اپنے کو اُمتِ محمّدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحبِ اُمّت ان کو اپنی اُمّت میں شمار کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ حاملین قرآن اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔ جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے۔ اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کرتا ہے۔

امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اُس کو لڑائی کا اعلان ہے اور خطیب بغدادیؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے نقل

کیاہے کہ اگر فقہاء (علماء) اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ حبرالامّت حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیّت پہنچائے اُس نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اذیّت پہنچائی۔ اور جو شخص رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اذیّت پہنچائے اُس نے اللہ جلّ جلالہ کو اذیّت پہنچائی۔ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر فرماتے ہیں میرے بھائی ایک بات سُن لے، حق تعالیٰ شانہٗ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہیئے ویسا تقوٰی کرنے والے ہوں (یہ بات سُن لے) کہ علماء کے گوشت (غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ تعالیٰ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کُشائی کرتا ہے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مُردہ بنا دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور علماء کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہاء اس کے کفر کا فتوٰی دیتے ہیں ورنہ اگر اور وجہ سے ہے تب بھی اس شخص کے فاسق اور فاجر ہونے میں اور اللہ تعالیٰ کے غصّہ اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔ فقط۔

اس کے بعد فقہاء کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید فرمائی ہے۔ جن لوگوں کو دنیوی مشاغل سے فراغت ہو۔ اور ان چیزوں کو بیکار نہ سمجھیں وہ ان کو ضرور ملاحظہ کریں۔ حضرت گنگوہیؒ کے خدّام میں ایک

صاحب کو کشفِ قبور بہت ہوتا تھا وہ میرے والدؒ کے انتقال پر تعزیت کیلئے آئے اور قبرستان بڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ اُنھوں نے مجھے آکر والد صاحب کی طرف سے تین پیام دیئے۔

(۱) مجھ پر قرض کا کوئی مطالبہ نہیں بے فکر رہو۔ چونکہ والد صاحب کے انتقال کے وقت تقریبًا آٹھ ہزار کا قرض تھا اور مجھے اس کا بہت فکر سوار تھا۔ چنانچہ انتقال کے دوسرے دن میں نے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے مشورہ سے سب قرض خواہوں کو ایک کارڈ لکھدیا کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے ذمہ جو قرض تھا آج سے وہ میرے ذمّہ ہے۔ میرے حضرت اس وقت حجاز سے واپسی پر حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ چونکہ یہ سفر ہوا تھا۔ اور سال بھر قیام بھی دونوں کا حجاز رہا تھا۔ جب حضرت جیل سے تشریف لائے تو میرے حضرت نے اس تجویز کو پسند نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا تمھیں یہ لکھنا چاہیئے تھا کہ ان کا ترکہ کتابیں ہیں اپنے قرض کے موافق کتابیں لے لو۔

(۲) یہ پیام دیا کہ فلاں شخص کے متعلق فکر مت کر مجھ پر کوئی اثر اس کا نہیں مگر اس کیلئے بہت مضر ہوا۔ یہ ایک صاحب تھے جن کو میرے والد صاحب سے بغض و عناد تھا وہ بہت تنقید کیا کرتے تھے۔ مجھے والد صاحب کے انتقال کے بعد اُن کی شکایات کا بھی فکر رہتا تھا۔ چنانچہ اس دوسرے پیام کا اثر تو میں نے خود دیکھا کہ وہ میرے حضرت کے یہاں سے معتوب ہوئے مدرسہ سے نکالے گئے۔

(۳) پیام یہ تھا کہ ان اللہ والوں سے بہت ڈرتے رہیئے یہاں ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ میرا بچپن تھا۔ طالبِ علمی کا زمانہ تھا میری سمجھ

میں نہ آیا کہ اُلٹی تو بہر حال اُلٹی ہے چاہے کوئی اللہ والا کہے چاہے کوئی دنیادا کئی دفعہ سوچا بھی کہ اس پیام کا کیا مطلب، دس برس بعد ۴۵ھ میں بسلسلۂ بذل میرا مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ مدرسہ کے سلسلہ میں میرے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے پاس بعض حضرات ناظم صاحبؒ کی جھوٹی سچی شکایتیں لکھا کرتے تھے۔ اور میں چونکہ ان سے واقف بھی تھا اور میرے پاس براہ راست بھی خط آتے رہتے تھے۔ میں حضرت قدس سرہٗ کے یہاں ان کی شکایات کی تردید کیا کرتا تھا اِس لئے کہ ڈاک میں ہی لکھا کرتا تھا، ....

.... مجھے تو حضرت قدس سرہٗ نے کوئی لفظ اس سلسلہ میں نہیں فرمایا۔ میں بسا اوقات گستاخانہ طریقہ سے بھی تردید کیا کرتا تھا، مگر جب ذیقعدہ ۵۶ھ میں میری حجاز سے واپسی ہوئی اور مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ بھی میرے ساتھ ہی تشریف لائے تو حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے ان کی معرفت حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں یہ پیام بھیجا کہ فلاں شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ اچھا نہیں ہے اس سے بہترین سلوک کیا کریں۔ حضرت مولانا نے میرے سامنے ناظم صاحب کو یہ پیام پہنچایا مگر ناظم صاحب نے فرمایا کہ وہ جھوٹی شکایتیں لکھتا ہے اور بہت لاپرواہی سے جواب دیا۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا چہرہ فق ہوگیا۔ اور میں نے حضرت مولانا سے خاص طور سے پوچھا کہ گیارہ برس پہلے تو ابا جان کا یہ پیام آیا تھا میں اُس وقت بھی سوچتا رہ گیا اور آپ کا چہرہ دیکھ کر وہ بات پھر یاد آگئی کہ ناظم صاحب نے سچ فرمایا کہ وہ شکایتیں جھوٹی کرتا ہے مگر آپ کے چہرہ کو دیکھ کر مجھے وہ پُرانی بات یاد آگئی حضرت

رائپوری نے یوں فرمایا کہ تمہارا اشکال صحیح ہے ناحق تو ناحق ہی ہے مگر ان اللہ والوں کے دل میں کسی کی طرف غلط شکایات پر بھی تکدر پیدا ہوجائے تو ان کے تکدر کا اثر رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ اس کے بعد سے تو مجھے بہت سے تجربات اس کے ہوئے کہ واقعی ان اللہ والوں کا تکدر کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھانس دیتا ہے۔ اس کے بعد سے تو میں بہت ہی ڈرنے لگا اور دوستوں کو بھی تاکید کرنے لگا کہ اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ حق ہمارے ساتھ ہے۔ ان مرشدوں کے تکدر سے بہت بچتے رہو۔ جہاں تک ہوسکے اپنی صفائی ضرور کرتے رہو۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے اس نے میرے سے دشمنی کا اعلان کیا۔ علّامہ موصوف کہتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے جو اولیاء کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیان فرمادیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے عداوت رکھے وہ اللہ جل شانہ سے لڑائی باندھنے کیلئے میدان میں آیا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ میں اپنے ولی کیلئے ایسا انتقام لیتا ہوں جیسا جنگجو شیر اپنا بدلہ لیتا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ اولیاء اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے موالاۃ (دوستی) کی اور اسی کو پسند کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اور اس سے بغض کیا جس سے اللہ نے بغض کیا اور اس سے راضی ہوئے جس سے اللہ راضی ہوا اور اس سے ناراض ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا، اور اس کا حکم کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم کیا، اور جس سے

اللہ تعالیٰ نے روکا اس سے روکتے ہیں۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اُن کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (ارواح ثلثہ ص۳۶۰)

اعتدال میں بھی یہ مضمون تفصیل سے اور اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اسمیں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مضمون (من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بخاری میں منقول ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت معاذؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو امامہؓ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ اور وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر اُتر آیا ہے (درمنثور) ایک حدیث میں آیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوں جیسا غضب ناک شیر (درمنثور)

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو اُس کا بھلا ٹھکانہ کہاں۔ اور پھر اگر اس کی سزا میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک، کان، آنکھ جاتے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہر حال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدا نخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے کسی بد دینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں

میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوءِ خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

صاحبِ مظاہرِ حق نے بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کیلئے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی مرغوب اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کہ کتنی خطرناک چیز ہوگی۔ شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے ان حضرات صوفیاء پر انکار کرنا جو سُنّت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں بالخصوص وہ حضرات جو علمِ نافع اور عملِ صالح رکھتے ہوں اور معارف و اسرار کے حامل ہوں زہرِ قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے، بڑی سخت وعید اس بارے میں وارد ہوئی ہے اور بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہٗ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا معاذ اللہ اندیشہ ہے۔

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو تراب بخشی جو مشائخ صوفیہ میں ہیں یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے آیا

ہے اور بہت اہم ہے۔ اللہ والوں سے محبّت رکھنا اکسیرِ اعظم ہے اور ان سے دشمنی سمِ قاتل ہے۔ اس مضمون کو میرے رسالہ اعتدال میں بہت اہتمام سے دیکھا جائے دس بارہ صفحہ میں یہ مضمون ہے اور بہت ضروری۔ میری ایک نصیحت اپنے دوستوں کو ہمیشہ سے رہتی ہے اور خود بھی اس پر عمل کی ہمیشہ سے کوشش کرتا ہوں کہ دین کے شعبے تو بہت ہیں اور سب پر ہر ایک کو عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ محدّث ہونا، فقیہ ہونا، مجاہد ہونا، صاحبِ تقویٰ ہونا، صاحبِ ورع ہونا، نوافل کی کثرت کرنا، روزہ کی کثرت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان میں سے کاملین کے ساتھ اگر کوئی شخص محبّت پیدا کرلے تو المرءُ مع من احبّ کے قاعدہ سے انشاء اللہ تعالیٰ سارے ہی دین کے اجزائے حصّۂ وافر ملے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین والصّلوٰۃ والسّلام علےٰ سیّد المرسلین وخاتم النبیّین وحبیب ربّ العلمین وعلےٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔ قبیل المغرب یوم الجمعۃ احدی عشر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۲ھ فی مسجد النبی الکریم صلّے اللہ تعالیٰ علی صاحبہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیم۔

محمّد زکریّا عفی عنہٗ

ضمیمہ شریعت و طریقت

یہ رسالہ (شریعت و طریقت) طبع ہوچکا تھا کہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے ماہنامہ الفرقان کے چند پرچے میرے پاس بھیجے اس میں ایک مضمون "شیخ محمّد بن عبدالوہاب اور ہمارے بعض اکابر" کے ذیل میں لکھا ہے جس میں ہمارے اکابر کے کلام میں ان حضرات کے متعلق جو کچھ اشکالات کئے گئے ہیں اُن کے بہت مفصّل جوابات دیئے گئے ہیں "قابلِ دید ہیں" مولانا موصوف نے الفرقان جنوری ۷۸ء کے صفحہ ۸ سے یہ ایک مضمون محمّد بن عبدالوہاب کے صاحبزادے عبداللہ کی طرف سے نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اپنی دعوت اور مسلک کی وضاحت اور بہتانوں کی تردید کی ہے۔ ہم اس مضمون کے چند اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اس میں پہلا اعتراض فقہ کے متعلق اور دوسرا حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کے متعلق لکھا ہے۔ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا درجہ اور مرتبہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور آپؐ اپنی قبرِ مبارک میں زندہ ہیں اور آپؐ کی یہ حیات برزخی حیات ہے اور یہ شہداءِ کرام کی حیات سے زیادہ بلند درجہ کی ہے کیونکہ بلاشک و شبہ آپؐ شہداء سے افضل ہیں۔ اور آپ سلام عرض کرنے والے کا سلام سُنتے ہیں اور آپؐ کی زیارت مسنون ہے لیکن (شدِ رحال کی ممانعت کی مشہور حدیث کے پیشِ نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ) مسجدِ نبوی کی

حاضری اور اس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے اور اگر اس کے ساتھ زیارت کا مقصد بھی شامل کر لے تو کوئی حرج نہیں اور جو کوئی اپنا قیمتی وقت آپؐ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے تو اس کو دنیا و آخرت کیلئے سعادت و خوش بختی حاصل ہوگی اور اس کے سارے فکر و غم، اور پریشانیوں کیلئے وہی کافی ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور ہم اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر نہیں ہیں اور ان کا جو خاص مرتبہ و مقام ہے ہم اُس کے معترف ہیں۔ اسی کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کسی قسم کی عبادت کے مستحق نہیں ہیں، نہ زندگی میں نہ بعد الموت۔ ہاں زندگی میں ان سے (بلکہ ہر مسلمان سے) دعاء کی درخواست کی جا سکتی ہے۔ اور ہم اس کے قائل ہیں کہ قیامت کے دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ اور اولیاء اللہ اور معصوم بچّوں کی بھی شفاعت ہوگی جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے اور ہم اس شفاعت کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ اور الحاح و تضرع کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ قیامت کے دن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمیں نصیب فرما اور ہمارے بارے میں آپؐ کی شفاعت قبول فرما۔ اسی طرح ہم اللہ کے نیک بندوں اور فرشتوں کی..... شفاعت کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ پس یوں نہ کہا جائے کہ اے اللہ کے رسُول یا اے اللہ کے ولی میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا یہ کہ آپ میری مدد یا دستگیری فرما دیں، مجھے بیماری سے شفا عطاء فرمائیے۔ (وغیرہ وغیرہ) کیونکہ یہ سب شرک کے اقسام میں سے ہے۔

آگے مصنف خود سوال اُٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم ان علماء کے بارے میں کیا کہتے ہو جنھوں نے اپنی تصانیف میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور سوال شفاعت کے جواز بلکہ استحسان و استحباب پر دلائل قائم کئے ہیں اور وہ اس مسئلہ سے متعلق ائمۂ متقدمین کی..... ان تصریحات سے بھی واقف و باخبر تھے (جن کا آپ لوگ حوالہ دیتے ہیں) اس کے باوجود وہ اپنے مسلک پر قائم رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے، مصنف نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ ہم ان کو بھی معذور سمجھتے ہیں ان سے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی اور وہ اسی حالت میں رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جمہور اہلِ سُنّت مانتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے خلاف حضرت معاویہؓ کا اقدام شرعًا غلط اور معصیت تھا لیکن چونکہ اس کی بنیاد اجتہادی غلطی پر تھی اس لئے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں بلکہ ان کو اجتہاد کے ایک اجر کا مستحق جانتے ہیں حالانکہ اپنی اس غلطی سے انہوں نے کبھی رجوع نہیں کیا اس پر قائم رہے اور دُنیا سے اسی حالت میں چلے گئے اور یہ اہلِ سنّت کا مشہور متفقہ مسلک ہے۔ اور اسی سلسلہ میں مصنف آگے لکھتے ہیں، ہم کسی ایسی شخصیت کی تکفیر نہیں کرتے جس کے تدین اور صلاح و تقویٰ اور زہد و حسن سیرت کی شہرت ہو اور جس نے تعلیم و تدریس یا تصنیف و تالیف وغیرہ کے ذریعہ دین و علم دین اور اُمّتِ مسلمہ کی خدمت کیلئے جان کھپائی ہو اگرچہ اس سوالِ شفاعت کے مسئلہ میں یا اس طرح کے کسی اور مسئلے میں اس سے خطا اور غلطی ہوئی ہو جیسے ابن حجر ہیثمی مکّی (شافعی) انھوں نے اپنی کتاب الدر المنظم

ہیں ان مسائل میں ہمارے مسلک کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس سے واقف ہونے کے باوجود ہم ان کی وسعتِ علم کے معترف ہیں ان کی کتابیں شرح اربعین اور الزواجر وغیرہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور مطالعہ کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں، وہ ہمارے نزدیک قابلِ اعتماد و اکرم علماءِ اُمّت میں سے ہیں۔ اسی رسالہ کے اخیری حصہ میں اپنا مسلک واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حافظ ابن قیم اور انکے استاد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ، اہل حق، اہلِ سنّت کے امام و پیشوا ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی کتابیں ہمیں نہایت عزیز ہیں لیکن ہم ہر مسئلہ میں ان کے بھی مقلّد اور پیرو نہیں ہیں اور متعدد مسائل میں ان سے ہمارا اختلاف معلوم اور معروف ہے، منجملہ ان کے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ ہے، اس میں ہم ان دونوں بزرگوں کی تحقیق کے خلاف (ائمۂ اربعہ کے متفقہ مسلک کا اتباع کرتے) ہیں.....اور بھی ایسے متعدد مسائل ہیں۔ اور رسالہ کی آخری سطروں میں فرماتے ہیں اور اسی پر رسالہ ختم ہے: "اور ہم طریقہ صوفیاء اور تزکیۂ باطن (کی کوشش) کے بھی منکر نہیں ہیں بشرطیکہ اس راہ کا سالک شریعت وسنت کا پابند و پیرو ہو۔ لیکن ہم ان لوگوں (صوفیاء) کے اقوال و افعال میں زبردستی کی تاویلیں نہیں کرتے اور ہم اپنے تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو مددگار اور کارساز نہیں سمجھتے۔"

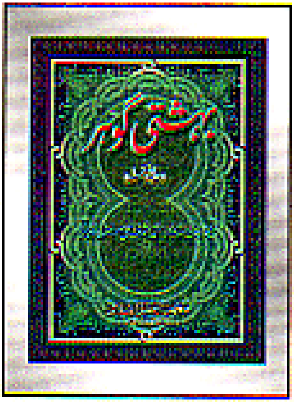
وهو حسبنا ونعم الوكيل نعم المولى ونعم النصير

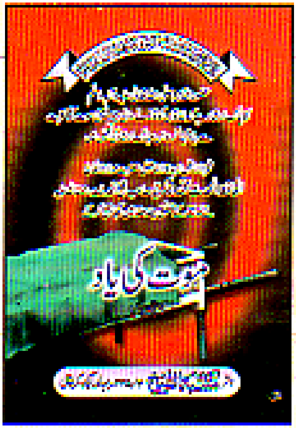
وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

محمد زکریا عفی عنہ

فہرست شریعت وطریقت عکسی


اکابر علماءِ دیوبند
مکتبۃ الشیخ


بہشتی گوہر


موت کی یاد


فضائل النساء
مکتبۃ الشیخ